دلبر نے گن ان نو واردوں پر تانی ہوئی تھی۔ ہم سب حیران تھے کہ اسے ہو کیا گیا ہے۔ ایک طرح سے اس کی بات بالکل درست تھی کہ اگر انہوں نے کوئی پوچھ گچھ کرنی تھی تو سکون سے بات کی جا سکتی تھی۔ اب اگر انہوں نے اسلحہ تان ہی لیا ہے تو پھر گولی کھانے کا بھی حوصلہ رکھنا چاہیے تھا مگر ان کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔ اپنے سامنے موت کو پا کر اپنے حواسوں میں رہنے والے چند لوگ ہی ہوتے ہیں۔ ورنہ عام بندہ تو لڑکھڑا کر رہ جاتا ہے۔ ان کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ میں ذاتی طور پر ان کا نقصان نہیں چاہتا تھا' کیونکہ اگر انہیں کوئی نقصان ہو جاتا تو میرا بنا بنایا کھیل ختم ہو کر رہ جاتا۔ میں نے ایک لمحے کو سوچا اور پھر کھڑا ہو گیا۔

''ٹھیک ہے دلبر' جیسا تم چاہو' میں تجھے منع نہیں کروں گا لیکن ایک بات یاد رکھنا' پیرزادہ وقاص اچھا آدمی ہے' بندے کی قدر کرنے والا ہے' باقی تیری مرضی۔''

''چل جانے دے یار' کیا یاد کرے گا اپنا جمال' اس بار چھوڑ دے۔'' چھاکے نے دلبر کے کاندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ چھاکا چاہتا تو اس وقت وہ دلبر سے گن چھین سکتا تھا لیکن اس میں رسک بھی تھا اور بد اعتمادی بھی' دلبر نے ٹیڑھی نگاہ سے چھاکے کو دیکھا اور بولا۔

''جمال صرف اپنی بات کی لاج رکھ رہا ہے' مگر میرے ڈیرے پر......'' اس نے کوئی سخت بات کہنا چاہی لیکن میرے چہرے پر دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ ہماری نگاہیں چار ہوئیں تو میں سمجھ گیا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ اس لیے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''دلبر! میں نہیں جانتا کہ ان کے ساتھ تمہاری کیا دشمنی ہے اور کب سے ہے' میں تو بس اتنا چاہتا ہوں کہ پیرزادے تک یہ پیغام پہنچ جائے کہ میران شاہ بستی کے لوگوں کو تو نے کچھ نہیں کہا' اگر کہا ہوتا تو یہ لوگ یہاں سے زندہ سلامت نہ جاتے۔ سمجھ لے ہم آج سے ان کے ساتھ دوستی کا ہاتھ ملانے کی ایک کوشش کریں گے' اگر مل گیا تو ٹھیک' نہ ملا تب دشمنی تو ہے ہی......''

''جمال! ان بڑے لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا' ابھی تم نے کہا تھا نا کہ یہ لوگ سرداروں کے پاس کیوں نہیں جاتے' انہیں اچھی طرح پتا ہے کہ علاقے میں بندے وہی مار سکتے ہیں یہ ان کے پاس کیوں نہیں جاتے' ان سے کیوں نہیں پوچھتے۔'' دلبر نے غصے میں کہا۔

''ہمیں اس سے غرض نہیں کہ وہ سرداروں سے کیسا تعلق رکھتے ہیں۔ ہم تو اپنی بات کرتے ہیں۔ میں اب تم سے نہیں کہوں گا' اب جو تیری مرضی ہے وہ کر......'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا تو دلبر نے اپنی گن ہٹاتے ہوئے میری طرف دیکھ کر بولا۔

''تیرے کہنے پر انہیں جانے دیتا ہوں۔ تیری دوستی کی کوشش بھی دیکھ لیتے ہیں۔ پھر ہو گا وہی جو میں کہہ رہا ہوں۔''

''مجھے یقین ہے کہ ایسا نہیں ہو گا۔'' میں نے کہا تو دلبر نے انہیں جانے کا اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر اپنی جیپ کی جانب بڑھنے لگے۔ تبھی میں نے چھاکے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ان کا اسلحہ بھی انہیں دے دو۔ خالی کر کے.....''

وہ جیپ میں بیٹھ چکے تھے تب چھاکا انہیں ان کا اسلحہ دے آیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔ تب دلبر نے ایک زور کا قہقہہ لگایا اور بولا۔

''کیسی تھی میری اداکاری.....؟''

''میں اگر وقت پر نہ پہنچتا تو اب تک تم یہ اداکاری کرنے کے قابل نہ ہوتے۔'' میں نے بھی ہنستے ہوئے کہا تو وہ اچانک ہی سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

''اب کیا کرنا ہے جمال.....کہیں وہ.....''

''کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''انہیں فقط شک ہے اور یہ شک رہنے دو' انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہم ایسا بھی کر سکتے ہیں۔نہیں تو..... کچھ نہ کچھ تو ہوگا نا یار۔''

''چل بھول جا سب کچھ' بکرا ذبح کر لیا ہے' اب پکاتے ہیں' پھر سکون سے کھائیں گے۔'' دلبر نے ساری بحث کو ایک جھٹکے میں سمیٹ دیا۔ میں نے دیکھا' اندر کمرے میں تازے گوشت سے سینی بھری ہوئی تھی' ہم چار پائیوں پر بیٹھ گئے تو دو چار لوگ اٹھ کر اسے پکانے کے لیے بڑھ گئے۔ اس وقت سورج ڈوب رہا تھا۔ جب کھا پی کر ہم وہاں سے چل دیئے۔ میں اور چھاکا اپنی اپنی بائیک پر گاؤں واپس آ گئے۔ چوک کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے کہا۔

''رندھاوے نے جو بندہ بھیجا تھا' اس کی بات یاد ہے نا.....''

''کیا بات.....؟'' میں نے یاد کرتے ہوئے کہا۔

''یہی کہ رات..... مطلب آج تم نے کہیں غائب نہیں ہونا' گاؤں والوں کے درمیان رہنا ہے'' اس نے مجھے یاد کراتے ہوئے کہا تو میں تیزی سے بولا۔

''ہاں.....ہاں.....یاد آیا.....تو پھر.....''

''یہاں چوک میں آ جانا' یہیں بیٹھ کر تماشہ کریں گے کوئی.....'' اس نے ہنستے ہوئے کہا تو میں اپنے گھر کی جانب بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

اندھیرا چھا گیا تھا' اوگی پنڈ کی روشنیاں جگمگا اٹھی تھیں' جب ہرپریت اور جسپال گھر سے نکلے۔ ہرپریت کی سج دھج دیکھنے والی تھی۔ ہلکے فیروزی رنگ کی شلوار قمیص جس پر سنہری تلے کا کام تھا' اسی رنگ کا مہین سا بڑا آنچل' کانوں میں بڑے بڑے بندے' ہلکا ہلکا میک اپ' جس میں آنکھیں بہت خوب صورت انداز میں سنواری ہوئی تھیں۔ کس کر باندھی ہوئی چوٹی سے اس کا ماتھا بڑا کشادہ دکھائی دے رہا تھا۔ جسپال اس وقت سرشار سا ہو گیا' جب وہ مہکتی ہوئی اس کے ساتھ پہلو میں پسنجر سیٹ پر آن بیٹھی تھی۔ تبھی گیئر میں جیپ ڈالتے ہوئے جسپال نے کہا۔

''آج بڑی خوب صورت لگ رہی ہو۔''

''تا پہلے میں بدصورت لگتی تھی' یا آج تمہیں کچھ ہو گیا ہے؟'' ہرپریت نے تیز لہجے میں کہا تو وہ چونکتے ہوئے بولا۔

''ہائیں.....! یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں..... ہری مرچیں تو نہیں چبا کر آئی ہو۔''

''کچھ نہیں' تم جیپ چلاؤ بس.....'' یہ کہہ کر وہ ذرا سا پہلو بدل کر بیٹھ گئی۔

''اوئے سوہنو ملائی تے مکھنو.....ہوا کیا ہے' کیوں ناراض ہو.....'' جسپال نے پھر پوچھا۔

''مجھے یہ بتاؤ جسی! وہ بے غیرت بلجیت سنگھ دھمکیاں لگا کر چلا گیا' اور تم نے اسے کچھ بھی نہ کہا۔''

''اتنا کچھ تو کہا ہے اسے۔'' وہ حیرت سے بولا تو ہرپریت نے نفرت سے کہا۔

''یہ کہنا کچھ کہنا نہیں ہے، کم از کم' اس کے منہ پر کوئی ایک آدھ زخم ضرور لگتا تو بات بنتی۔''

اس وقت تک وہ پکی سڑک پر آ چکے تھے۔ تبھی جسپال نے گاڑی روک کر کہا۔

''میں پہل نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

''پہل تو وہ کر چکا تھا' اس نے آ کر دھمکیاں دی تھیں۔'' ہرپریت نے کہا۔

''چل' اب چلتے ہیں۔ پہلے اس کی طرف چلتے ہیں پھر شادی میں چلے جائیں گے۔'' جسپال کے لہجے میں گہری سنجیدگی تھی۔

''تمہارا کیا مطلب ہے' وہ ہمارے انتظار میں بیٹھا ہوا ہو گا' وہ خوشی سے کہے گا کہ آؤ اور مجھے سبق سکھا کر چلے جاؤ' کیا بات کرتا ہے' جسی تو.....'' ہرپریت نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''دیکھ لے ہرپریت' اتنا غصہ نہ کر' بڑا وقت پڑا ہے' پتا نہیں کتنی دیر تک ان سے لڑنا ہے' چل ابھی مسکرا دے۔'' جسپال نے لجاجت سے کہا۔

''اگر نہ مسکراؤں تو.....'' ہرپریت نے معشوقانہ انداز میں کہا تو وہ بولا۔

''تو پھر میں' ابھی اور اسی وقت بلجیت کی طرف چل پڑوں گا' پھر دیکھا جائے گا' جو ہو گا۔''

اس کے یوں کہنے پر ہرپریت نے اس کی طرف دیکھا اور پھر گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔

''میں سمجھتی ہوں کہ ابھی وقت نہیں ہے' لیکن میں کیا کروں' میرا غصہ ٹھنڈا نہیں ہو رہا۔''

''اس کا بھی کچھ کرتے ہیں' تم بس ذرا سا مسکرا دو.....'' وہ بولا تو ہرپریت ہنس دی لیکن اس کی ہنسی میں کھنکھناہٹ نہیں تھی' جس پر جسپال نے اسے غور سے دیکھا' تب وہ بولی۔

''تم.....ان تک پہنچو یا نہیں' مگر وہ تم تک ضرور پہنچیں گے۔ میں ان کی فطرت جانتی ہوں۔ چلو' تم گاڑی چلاؤ۔''

''وہ تو میں چلاتا ہوں' لیکن تم کہنا کیا چاہتی ہو' مجھے صاف لفظوں میں کہو۔'' یہ کہتے ہوئے جسپال نے جیپ کو گیئر لگا دیا اور اوگی پنڈ کے مخالف پکی سڑک پر جانے لگا۔

''اصل میں تم نے بلجیت کو چھوڑ کر اچھا نہیں کیا' اسے وہیں ختم کر دینا چاہیے تھا۔'' ہرپریت نے آگ اگلنے والے لہجے میں کہا تو وہ گہرے لہجے میں بولا۔

''میں اب بھی تمہاری منطق نہیں سمجھا؟''

''دیکھو...... ! آج نہیں تو کل' ان سے آمنا سامنا تو ہونا ہی ہے بلکہ ان سے دشمنی کہاں ختم ہوئی ہے رویندر سنگھ اس لیے کمشن میں شامل ہوا ہے' اب وہ دھوکے سے اور قانونی ہتھکنڈے استعمال کر کے تمہیں' بلکہ ہم سب کو پریشان کریں گے۔ وہ ایک طرف نہ صرف تمہیں قتل کرنے کی کوشش کریں گے بلکہ کسی نہ کسی ناجائز کیس میں پھنسا کر الجھا دیں گے اور کچھ نہیں تو یہاں کا ظالم ترین قانون ''ٹاڈا'' تم پر لگوا دیں گے' اس کے بعد تو پھر شنوائی ہی نہیں ہے۔ جب تک چاہیں تمہیں اندر رکھیں۔ ان کے ساتھ معاملہ جتنا لمبا کرو گے' یہ اتنا ہی ہمیں الجھا دیں گے۔ وہ اب حملہ آور ہیں' لیکن اگر بلجیت قتل ہو جاتا نا تو وہ اپنی بقا والی پوزیشن پر آ جاتے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو ہرپریت لیکن اگر انہیں قتل کر دیا تو پھر کیا ہے' میرے پرکھوں کا انتقام پورا ہو جائے گا' نہیں' نہیں ہرپریت نہیں' میں ان لوگوں کو اتنی جلدی مکتی نہیں دے سکتا' مجھے میرے حساب سے چلنے دو پلیز۔ دشمنی جذبات سے نہیں دل سے لڑی جاتی ہے۔''

''میں مانتی ہوں' مگر یہ بھی سچ ہے کہ دشمن کو زیادہ وقت نہیں دینا چاہیے۔'' ہرپریت نے گہرے لہجے میں کہا۔

''ظالم اپنی قوت کے نشے میں یہ سمجھتا ہے کہ شاید ہمیشہ وقت اسی کا رہے گا' لیکن وقت بدلتا رہتا ہے' یہی اس کی فطرت ہے' ڈونٹ وری' اپنے چہرے پر سے پریشانی اور دماغ پر سے بوجھ ہٹا دو۔ خوش دکھائی دو' ایک دم فریش کسی گلاب کی طرح......'' جسپال نے کہا اور اشارے سے پوچھا کہ کس طرف جانا ہے۔ اس نے سیدھے چلتے رہنے کا اشارہ دیا اور پھر ذرا سا ترچھی ہو کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''واقعی' ہم جب سے ملے ہیں' اپنے دشمنوں کی باتیں کرتے رہے ہیں۔ اپنے بارے میں بس ایک دن بات کی' وہ بھی کیا بات کی۔''

''میں سمجھتا ہوں کہ میرے پاس وقت بہت کم ہے' اور میرے دشمن بڑے طاقت ور ہو گئے ہیں لیکن تمہارا ساتھ مل گیا میرے لیے اتنا ہی کافی ہے' تو میرا حوصلہ بن گئی ہے۔'' جسپال نے رومانوی انداز میں آہستگی سے کہا تو وہ ایک دم سے شرما گئی۔ وہ جتنی بھی بولڈ تھی' آخر تھی تو مشرقی لڑکی' ان دونوں میں خاموشی آ گئی۔

جسپال تیزی سے جیپ بھگائے چلا جا رہا تھا۔ تبھی سڑک کنارے ایک گاؤں کی طرف جاتے ہوئے ہرپریت نے اشارہ دیا۔ وہ اس طرف مڑ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ گاؤں کی ایک حویلی کے سامنے جا رکے۔ جسے برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا۔ گاڑیاں باہر ہی پارک ہو رہی تھیں۔ اس لیے انہوں نے جیپ پارک کی اور اندر کی طرف چل دیئے۔

''ہرپریت!' تو نے یہ تو بتایا ہی نہیں' شادی لڑکے کی ہے یا لڑکی کی۔''

''لڑکی کی...... مجھے تو لگتا ہے بارات آ گئی ہوگی۔'' اس نے دھیمے لہجے میں جواب دیا اور سامنے کھڑے ایک بزرگ سے سردار سے ملے جو اس کی آمد پر اوگی ان کے گھر آیا تھا۔

''بہت خوشی ہوئی' تو آیا ہے پتر' بہن گلجیت کو نہیں آئی۔'' اس نے پوچھا۔

''ان کی طبیعت تھوڑی اپ سیٹ تھی......'' ہرپریت نے کہا' پھر زیادہ باتوں کا موقع نہیں ملا' وہ دوسرے مہمانوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

وہ ایک بڑے سے پنڈال کی طرف بڑھے' جہاں پہلے ہی بہت سارے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہرپریت نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔

''لگتا ہے ابھی بارات نہیں آئی۔''

''چلو آ جائے گی۔'' جسپال نے بھی ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''نہیں' انہیں گرودوارے سے جا کر لانا ہوگا' وہ ادھر آئیں گے۔ شادی کی رسم اُدھر ہی ہوگی۔'' وہ بولی۔

''او کے...... اب آئیں ہیں تو......' جسپال ادھوری بات چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔ ''تم بیٹھتی کیوں نہیں ہو؟''

''میں اپنی سہیلیوں کو دیکھ رہی ہوں۔ میں لڑکیوں کے ساتھ آ جاؤں گی۔'' یہ کہہ کر وہ اندر کی جانب چلی گئی اور وہ وہاں پر اکیلا بیٹھ گیا۔

کچھ وقت گزر اتھا اور وہ ادھر ادھر لوگوں کو دیکھ رہا تھا' کہ انوجیت کی کال آ گئی۔

''کہاں پر ہو؟''

''میں شادی میں۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''اچھا اچھا' بس تمہاری خیریت معلوم کرنا تھی' یہاں لوگوں سے ملو' گپ شپ کرو۔'' وہ خوشگوار لہجے میں بولا۔

''ابھی تو اکیلا ہی ہوں' ہرپریت اندر لڑکیوں میں چلی گئی ہے۔'' اس نے جواب دیا تو انوجیت نے کہا۔

''ارے کوئی بات نہیں' ابھی تیرے پاس کافی سارے لوگ آ جاتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ کچھ دیر گزری ہو گی کہ چند نوجوان اس کے پاس آ گئے۔ انہوں نے اپنا تعارف کرایا' وہ انوجیت کے دوست تھے جو اوگی پنڈ سے تھے۔ وہ سبھی گپ شپ کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد وہ لڑکی کو لے کر گرودوارے کی جانب چل دیئے' وہ سب بھی چل پڑے۔

گرودوارے میں ''ارداس'' (ایک طرح کی دعائیہ محفل جو ہر خوشی اور غمی کے موقع پر منعقد کرتے ہیں) شروع ہو چکی تھی۔ دولہا اور دلہن اپنے روایتی لباس میں گیانی کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ باقی سب لوگ آہستہ آہستہ' خاموشی کے ساتھ گرودوارے کے اندر بیٹھتے چلے جا رہے تھے۔ گیانی بڑے پرجوش لہجے میں گروگرنتھ کا پاٹھ کر کے اس کی وضاحت کرنے لگا۔ ہرپریت لڑکیوں میں تھی اور جسپال لڑکوں میں۔ کافی دیر تک ارداس چلتی رہی' پھر دولہا اور دلہن نے گرنتھ صاحب کے آگے ماتھا ٹیکا' گیانی نے کچھ رسمیں ادا کیں اور ان کی شادی ہو گئی پھر دولہا دلہن تو گاڑی پر حویلی آ گئے' باقی سارے پیدل ہی حویلی کی جانب چل پڑے' جو بالکل قریب ہی تھی۔

رات گئے تک شادی والے گھر میں ہلا گلا چلتا رہا۔ شراب پانی کی مانند بہنے لگی' رقص و موسیقی کی محفل جم گئی۔ ہنستے کھیلتے' کھاتے پیتے رات خاصی گہری ہو گئی۔ جسپال کے آس پاس جمع ہونے والے لڑکے بھی شراب کے نشے میں دھت تھے۔ ایک دو ہوش میں تھے۔ وہ جانے لگے تو انہوں نے پوچھا۔

''چلیں جسپال بابو۔''

''تم چلو ہرپریت آتی ہے تو میں نکلتا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' یہ کہہ کر وہ باہر کی جانب چل دیئے اور وہ ہرپریت کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ چند لڑکیوں کے ساتھ نمودار ہوئی' پھر اسے دیکھ کر ان سے اجازت لے کر آ گئی۔ قریب آتے ہی بولی۔

''کیسا رہا یہ شادی کا ہنگامہ......؟''

''اچھا تھا' میرے لیے یہاں کے کلچر کی مناسبت سے بالکل نیا......چلیں اب......''

''بالکل......! وقت بھی خاصا ہو گیا۔'' یہ کہہ کر وہ باہر کی طرف چل پڑی۔ گیٹ پر وہ بزرگ سردار لوگوں کو وداع کر رہے تھے۔ وہ تپاک سے ملے شکریہ ادا کیا پھر یہ پارکنگ سے جیپ میں بیٹھے اور واپسی کے لیے چل پڑے۔

''ڈیش بورڈ میں میرا پسٹل پڑا ہے' وہ نکال لو۔'' جسپال نے سنجیدگی سے کہا تو ہرپریت نے کچھ کہے بنا پسٹل نکال کر ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔ شاید یہ اس کی چھٹی حس تھی یا محض حفظ ماتقدم کے طور پر لاشعوری عمل تھا' وہ دونوں محتاط ہو گئے تھے اور اسی لیے خاموش تھے' رات کے وقت سڑک سنسان تھی' اس لیے وہ تیز رفتاری سے جیپ بھگائے لے جا رہا تھا۔ سارا راستہ کٹ گیا' پھر جیسے ہی وہ اپنے گھر کی طرف مڑنے کے لیے آہستہ ہوئے' بالکل موڑ پر آگے ایک سفید کار کھڑی تھی' اور اس کے ساتھ ہی ہائی ایس وین نے راستہ روکا ہوا تھا۔ جسپال کے جبڑے بھنچ گئے' اسے گاڑی روکنا پڑی۔ تبھی بولا۔

''ہرپریتے......الرٹ ہو جا......'' یہ کہتے ہوئے اس نے بریک لگا دیئے اور ہیڈ لائٹس روشن رہنے دیں۔

''فکر نہ کر......'' یہ کہہ کر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ تبھی وین کی اوٹ میں سے چند آدمی باہر نکلے' ان کے ہاتھوں میں گنیں تھیں۔ تبھی ہرپریت نے پچھلی نشست پر کودتے ہوئے کہا۔ ''حوصلہ رکھنا۔''

''تو بھی فکر نہ کر......''

وہ تین لوگ تھے اور چوتھا وہیں وین ہی کے پاس کھڑا رہا۔ جسپال نے پسٹل ڈیش بورڈ سے اٹھا کر اپنی ران کے پاس رکھ لیا۔ تبھی ایک نے ٹارچ اس کی طرف کر کے روشنی چہرے پر ڈالی' پھر اونچی آواز میں بولا۔

''یہی ہے......''

''تو نکالو باہر اسے۔'' انہی میں سے ایک نے کہا۔ جسپال نے پچھلی سیٹ پر ہرپریت کو دیکھا' وہ تیزی سے ایک گن میں میگزین لگا کر گن کو سیدھی کر رہی تھی۔ وہ ہلکے سے بولی۔

''جاؤ' وہ میرے نشانے پر ہیں......'' اس نے سن روف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

جسپال گاڑی سے نیچے اتر آیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی قریب آئے اور آ کر دروازہ کھولتے ہوئے ہرپریت کو دیکھ لے...... وہ ان کی

جانب بڑھا تو انہوں نے گنیں تان لیں۔

''ہاتھ اوپر رکھو جسپال...... کوئی چالاکی دکھائی تو گولی ماردیں گے۔''

اس نے ہاتھ اوپر کردیے اور بڑے حوصلے سے ان کے پاس جاکر کھڑا ہوگیا اور اونچی آواز میں پوچھا۔

''تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟''

''ہم کون ہیں۔ یہ تمہیں بتانے کے پابند نہیں' لیکن ہاں چاہتے کیا ہیں یہ بتادیتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے بلند آواز میں قہقہہ لگایا تو دوسرے نے کہا۔

''بس ایویں' دو چار ہڈیاں توڑنی ہیں تیری......''

''وہ توڑلینا...... اگر تم میں ہمت ہوئی تو ...... کیونکہ ہڈیاں توڑنے والے یوں بزدلوں کی طرح گنیں لے کر نہیں کھڑے ہوتے......'' جسپال نے طنزیہ انداز میں کہا تو پہلے نے نہایت غلیظ قسم کی گالی بکتے ہوئے کہا۔

''اس کی تلاشی لو پھر بتاتے ہیں۔''

ان کے قریب جو خاموش کھڑا تھا' وہ تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے جیسے ہی تلاشی لینا چاہی جسپال نے نہایت تیزی سے اسے قابو کیا اور اپنا پسٹل نکال کر اس کی کنپٹی پر رکھ دیا۔

''اسے مارنا ہے یا ہتھیار پھینکنے ہیں جلدی بولو۔''

''اوئے' اسے چھوڑ...... میرے ساتھ ہاتھوں میں ہاتھ ڈال......'' پہلے نے کہا تو جسپال نے سکون سے کہا۔

''لگتا ہے تو پاگل ہے یا پھر تجھے کسی پاگل نے بھیجا ہے' گن پھینک۔''

''جو قابو ہوگیا' تو ہوگیا' مرجانے دے اسے......'' دوسرے نے کہا اور گن سیدھی کی' تبھی یکے بعد کئی فائر ہوئے تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ گولیاں کچھ ان کے پاؤں پر اور کچھ زمین میں لگی تھیں۔ شاید انہیں گمان نہیں تھا کہ جیپ کی طرف سے بھی فائر ہوسکتا ہے۔ ان کے ہاتھوں میں گنیں لرز گئیں۔ انہوں نے لاشعوری طور پر آڑ لینا چاہی۔ اتنے میں ہرپریت نے دوسری بار فائیر کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی تیز چیخ بلند ہوئی۔ رات کے وقت فائرنگ کی آواز بھی بہت خوفناک تھی۔ وہ ایک دم سہم گئے اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھے۔ تیسری بار ہرپریت نے گولیاں ان کی ٹانگوں پر ماریں تو وہ وہیں ڈھیر ہوگئے۔ انہیں موقع ہی نہیں ملا کہ وہ جوابی فائرنگ کردیں۔ تبھی جسپال نے کہا۔

''اب بھی وقت ہے گنیں پھینک دو' ورنہ جان چلی جائے گی۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے قابو میں کیے ہوئے شخص کے ماتھے پر زوردار پسٹل کا دستہ مارا' وہ لڑکھڑا گیا۔ وہ نیچے گرا تو جسپال بھی فائر کرنے لگا اور واپس گاڑی کی طرف جست لگادی۔ اس وقت وہ وین میں گھس گئے تھے جب کار کی طرف سے فائر ہوا۔ یقیناً وہاں کوئی تھا' جسپال نے اسے نشانے پر رکھ لیا۔ ہرپریت نے ایک برسٹ ادھر مارا تو اس طرف سے ایک دم خاموشی چھاگئی۔ جسپال گاڑی کے اندر آگیا۔ ہرپریت نیا میگزین

لگا رہی تھی۔

''میں جیسے ہی کہوں' جیپ تیزی سے آگے بڑھا دینا۔ وین ہٹا لیں تو ٹھیک ورنہ مار دینا اس میں۔'' ہرپریت نے تیزی سے کہا تو جسپال نے گیئر لگا دیا۔ جیسے ہی اس نے چلو کہا' اس کے ساتھ ہی اس نے سن روف سے باہر نکل کر فائرنگ شروع کر دی۔ تبھی سامنے سے جوابی فائرنگ ہونا شروع ہو گئی۔ جسپال نے گاڑی بڑھا دی' لمحوں میں وہ وین کے ساتھ جا ٹکرائی۔ ایک دھماکے کی آواز آئی' وین الٹ گئی تھی۔ یہی وہ وقت تھا' جب تین چار گاڑیاں سڑک پر سے گزرتے ہوئے کچھ فاصلے پر رک گئیں۔ جیپ کے لیے آگے جانے کا راستہ نہیں تھا۔ ہرپریت نے نیچے ہو کر تیزی سے کہا۔

''جسی......! دروازہ کھول کر سیدھے بھاگ نکلو' میں بھی آئی۔''

جسپال نے ویسے ہی کیا چشم زدن میں اتر کر بھاگ نکلا اس کے پیچھے ہی ہرپریت آ گئی۔ دونوں بھاگتے ہوئے گندم کے کھیت میں چلے گئے۔ دونوں آگے پیچھے آگے ہی آگے بھاگے گئے۔ کیونکہ کچھ فاصلے پر ان کے گھر کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ جیسے ہی بھاگ کر گیٹ کے قریب گئے' انوجیت تیزی سے نکلا اس کے ہاتھ میں گن تھی۔

''انوجیت رکو......'' جسپال نے کہا۔

''تم...... یہاں...... ہرپریت...... وہ کون تھے......'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

''پتہ نہیں......'' جسپال نے بھی تیزی سے کہہ کر اس نے انتہائی اختصار سے اس واقعے کے بارے میں بتایا۔

تبھی اس نے کہا۔

''پتہ تو کرنا ہوگا...... آؤ......'' یہ کہہ کر وہ محتاط انداز میں آگے بڑھا۔ اس نے فون نکالا' جو آن لائن ہی تھا۔ ''ادھر سے کوئی سامنے آیا' کون ہے......؟''

''کسے فون کر رہے ہو......'' جسپال نے پوچھا۔

''وہ سڑک پر...... جو تمہیں شادی میں ملے تھے...... انہوں نے مجھے بتایا کہ......'' یہ کہتے ہوئے وہ رک گیا۔

وہ ابھی کچھ فاصلے پر ہی تھے کہ اوگی پنڈ کی طرف سے چار گاڑیاں تیزی سے وہاں آن پہنچیں۔ وہ رابطے میں تھا اور ان سے پوچھ رہا تھا' پھر فون ہٹاتے ہوئے بولا۔ ''وہ بلجیت کے غنڈے ہیں...... ممکن ہیں وہ اب ادھر گھر پر دھاوا بول دیں' جلدی پلٹو......'' یہ کہتے ہوئے وہ تقریباً بھاگتے ہوئے گھر کی طرف چلا۔ جسپال اور ہرپریت بھی مڑ گئے۔ گیٹ پار کرتے ہی اس نے گیٹ بند کیا اور بولا۔ ''تیزی سے اوپر چھت پر...... ادھر اسلحہ پڑا ہے' ہرپریت ہٹاؤ......''

وہ تیزی سے اوپر کی جانب چڑھتے چلے گئے' چند منٹ بعد وہ چھت پر تھے۔ انہوں نے دوسری منزل کے ایک کمرے سے اسلحہ لے لیا تھا۔ وہ لوگ وین سیدھی کر چکے تھے اور شاید زخمیوں کو لے جا رہے تھے۔ انہوں نے گھر کا رخ نہیں کیا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک وہاں سے ہر بندہ گاڑیوں سمیت چلا گیا۔ ان کی جیپ وہیں کھڑی رہی۔

''وہ تو گئے۔''جسپال نے کہا تو انوجیت نے منتشر لہجے میں کہا۔

''کوئی پتا نہیں...... ان کا......تم لوگ یہاں ٹھہرے رہو۔ میں نیچے جاتا ہوں اور بندے بلواتا ہوں۔''

''اوئے انوجیت ......سکون کر...... کچھ نہیں ہوتا......اور اگر جانا ہی ہے تو چائے کے دو کپ بھیج دینا نوتی کے ہاتھ۔''جسپال سنگھ نے یوں کہا جیسے وہ پکنک پر آئے ہوئے ہوں۔ تب انوجیت نے ایک گہرا سانس لیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

''اوئے یار! میں گھبرا گیا تھا......لیکن پہرا تو دینا ہے۔''

''ٹھیک ہے تو چائے بھیج۔''جسپال نے کہا تو وہ نیچے چلا گیا۔ تبھی اس نے ہرپریت کی طرف دیکھا اور کہا۔

''تم تو بڑے کام کی چیز ہو......ایویں کہہ رہی تھیں مجھے فائٹنگ سکھا دو۔''

تبھی وہ کھلکھلا کر ہنس دی' پھر آہستگی سے بولی۔

''گرو گوبند جی کی بیٹی ہوں...... امرت''شکھا''ہوا ہے'لڑنا ہی تو میری شان ہے۔''اس کے لہجے میں گرو گوبند جی کی پیروکار ہونے پر فخر تھا۔

''چل تجھ سے کبھی فائیٹ کر کے دیکھ لیں گے۔ لیکن ابھی تو......''اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑتے ہوئے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا' وہ سمٹ کر اس کے سینے سے جا لگی۔ جسپال نے محسوس کیا کہ اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی ہیں اور یہی حال ہرپریت کا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے میں گم ہو گئے۔

☆ ☆ ☆

چاند نکل آیا تھا' چوک میں برگد کے درخت سے ذرا ہٹ کر چارپائیاں دھری ہوئی تھیں۔ میں جب وہاں پہنچا تو گاؤں کے کافی سارے لوگ وہاں جمع ہو چکے تھے۔ ایک طرف چھاکا اور اس کے دوست موجود تھے' اس کے قریب ہی دلبر اپنے ساتھیوں سمیت بیٹھا تھا۔ گاؤں کے وہ بزرگ وہاں آ چکے تھے جنہیں مختلف برادریوں نے چھوٹے چھوٹے فیصلوں کا حق دیا ہوا تھا۔ چونکہ وہ مخلص لوگ تھے' اس لیے سب ان کی مانتے بھی تھے۔ میرے وہاں جاتے ہی لوگوں میں تھوڑی ہلچل ہوئی کیونکہ انہیں یہی معلوم تھا کہ آج جمال نے پنچائیت میں بات کرنی ہے۔ میرے وہاں بیٹھتے ہی ایک معمر شخص نے پوچھا۔

''ہاں بھئی جمال' کیا کہنا چاہتے ہو تم؟''

''میاں جی! بات یہ ہے کہ ہمارا علاقہ بڑا پُرامن ہے لیکن ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے اس پُرامن علاقے میں اچھی خاصی گڑبڑ ہونے لگی ہے۔ میں نہیں کہتا کہ میں اس گڑبڑ کا حصہ نہیں ہوں' یا میرا دامن پاک صاف ہے' مگر دیکھنا یہ ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے' جس کسی کا جب دل چاہے حملہ کر دیتا ہے' جب چاہے کوئی بندے مار کر چلا جاتا ہے' حد تو یہ ہے کہ پھر شک بھی اپنے ہی علاقے کے بندوں پر کیا جاتا ہے۔ انہیں جان سے مارنے کی دھمکیاں ہی نہیں بلکہ ذلیل بھی کیا جاتا ہے' اسلحے کی نوک پر ان سے پوچھ تاچھ کی جا رہی ہے' میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا ہمیں اپنے تحفظ کے لیے اب اسلحہ اٹھا لینا چاہیے' یا پھر اس غنڈہ گردی کا کوئی سدباب کرنا ہوگا؟''میں نے انتہائی جذباتی انداز میں اپنی بات ختم کی تو ایک دوسرے بزرگ نے پوچھا۔

''تمہارے خیال میں ایسا کیوں ہو رہا ہے؟''

''میرے خیال میں تو بہت کچھ ہے بزرگو! یہ ساری صورت حال آپ بھی جانتے ہیں۔ پھر بھی آپ میرا خیال پوچھ رہے ہیں' کون نہیں جانتا۔'' میں نے شکوہ بھرے لہجے میں کہا تو وہ بزرگ سب کی طرف دیکھ کر بولے۔

''تم ٹھیک کہتے ہو لیکن ہم جمع ہی اس لیے ہوئے ہیں کہ اس صورت حال پر بات کریں' میں تمہی سے ابتدا کرتا ہوں' اسی لیے تم سے پوچھا ہے کہ تمہارا کیا خیال ہے' یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟''

''تو پھر سنیں۔'' میں نے ان کی طرف دیکھ کر جذباتی انداز میں کہا۔ ''اصل میں ہم لوگ اس علاقے کے جاگیرداروں کے غلام بن چکے ہیں۔ بظاہر ہم آزاد ہیں' لیکن ذہنی طور پر اب بھی غلام ہیں۔ سفید چمڑی والے آقا گئے برسوں ہو گئے مگر یہ کالی چمڑی والے اب ہم پر مسلط ہیں۔ ان کی غلامی کرنا' انہی کی چاکری کرکے' انہی کا حکم ماننا ہماری گھٹی میں پڑ چکا ہے۔ جس جاگیردار کا دل کرتا ہے' وہ ان غریبوں کو اپنی ملکیت تصور کرتے ہوئے اس کی جان تک سے کھیل جاتا ہے' یہ صورت حال صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم ان جاگیرداروں کی غلامی میں ہیں۔''

''تم وہی عام سی بات کر رہے ہو' جو محض نوجوانوں کو بھڑکانے کے لیے کوئی بھی کر سکتا ہے' کیا ثبوت ہے تیرے پاس......'' ایک تیسرے بزرگ نے تیزی سے پوچھا۔

''سردار شاہ دین کے ڈیرے پر آنے والے بندوں نے' میراں شاہ کے علاقے کے بندوں کو مار دیا۔ مجھ پر چند دن پہلے ہونے والے حملے میں سردار شاہ دین کا ہاتھ تھا۔ وہ بندے بھی اس کے ڈیرے پر ٹھہرے تھے۔ اب اس کا مطلب آپ کو سمجھانا پڑے گا کہ سردار جب چاہے' اس علاقے کے بندے مروا دے' اسے بندے مارنے کا اختیار کس نے دیا ہے؟ اور دوسری طرف پیرزادے...... آج ہی دلبر پر پیرزادوں نے آ کر اسلحہ تان لیا۔ وہ یہ پوچھنے آئے تھے کہ میراں شاہ والے بندوں کو انہوں نے مارا ہے؟'' میں نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

''جمال...... تم پورے ہوش سے بات کر رہے ہونا' یہ سرداروں اور پیرزادوں پر محض الزام تو نہیں۔'' ایک بزرگ نے میرے بیان کی تصدیق چاہی۔

''میں ثبوت دے رہا ہوں۔ محض الزام نہیں لگا رہا۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ جو بندے قتل ہوئے ہیں' وہ کہاں ٹھہرے تھے؟'' میں نے کسی حد تک غصے میں کہا تو وہاں موجود لوگوں میں کھلبلی مچ گئی۔ چہ میگوئیاں کرتے ہوئے لوگ بھی حیران تھے کہ آج تک کسی نے اتنے واشگاف الفاظ میں سرداروں کے خلاف بات نہیں کی' آج اسے کیا ہو گیا ہے؟

''ممکن ہے وہ آئیں تو سردار ہی کے پاس ہوں' اور اپنی ہی کسی دشمنی کی وجہ سے ان کے درمیان تنازع ہو گیا ہو۔'' اس بزرگ نے کہا تو مجھے واقعتاً غصہ آ گیا۔ میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''ممکن تو کچھ بھی ہو سکتا ہے بزرگو......! ہم اندھے بھی ہو سکتے ہیں' ہماری جانوں کو ہر وقت خطرہ بھی ہو سکتا ہے' اگر دلبر پر اسلحہ تانا گیا' دلبر مر جاتا' اس کے ساتھی مر جاتے' یا حملہ آور مر جاتے' بات تو بڑھتی' دونوں طرف کے بندے مارے جاتے' سرداروں اور پیرزادوں کا کیا جاتا' مرنا تو پھر ہم

غریبوں ہی نے ہے۔ بالکل اسی طرح ہم غریب لوگ کیڑے مکوڑوں کی مانند مارے جا رہے ہیں لیکن نہ ہم دیکھنا چاہتے ہیں اور نہ ہم حوصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ بات کر کے میں نے اپنی موت کو دعوت دے دی ہے' اس لیے میں یہاں پر اعلان کرتا ہوں کہ اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو میرے قتل کے ذمے دار صرف اور صرف یہ سردار ہوں گے۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ کوئی غریب غربا اٹھ کر ان کے خلاف آواز بلند کرے۔''

''تم چاہتے کیا ہو؟'' ایک بزرگ نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں حیرت سے پوچھا۔

''میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر آپ لوگوں نے اپنی آنے والی نسل کو غلامی سے بچانا ہے' انہیں خوشحال دیکھنا ہے اور انہیں اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا حق دینا ہے تو ان جاگیرداروں سے جان چھڑانا ہو گی۔ ان کے خلاف بغاوت کرنا ہو گی' ان کے چنگل سے نکلنا ہو گا' ورنہ یہ لوگ ہمیں یونہی مارتے رہیں گے' اور ہمارا پرسان حال کوئی نہیں ہو گا۔ اس کے لیے جنگ لڑنا ہو گی۔'' میں نے صاف لفظوں میں اپنا مدعا کہہ دیا۔

''تم تو دیوانوں جیسی باتیں کر رہے ہو میرے پتر' نہتے لوگ کیا جنگ لڑیں گے۔ ان غریبوں کی تو روٹی پوری نہیں ہوتی۔'' اس بزرگ نے طنزیہ انداز میں کہا تو میں نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

''یہی تو میں آپ لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں' اس روٹی کا حصول کن لوگوں نے تنگ کیا ہوا ہے' وسائل پر قبضہ کیے ان لوگوں کے کتے بہترین راتب کھاتے ہیں اور یہاں عام آدمی روٹی سے تنگ ہے۔ یہ الیکشن کے دنوں میں اپنا دیدار کروا کے آپ سے ووٹ لے جاتے ہیں' روٹی انہوں نے نہیں' آپ لوگوں نے خود اپنے لیے تنگ کی ہوئی ہے' خیر...... ! میرا جو آپ لوگوں سے سوال ہے' اس کا جواب کیا ہے؟''

''تمہارا سوال غلط نہیں' مگر تم کیا سمجھتے ہو کہ ہم کیا کریں۔'' دوسرے بزرگ نے خاصے دردمند لہجے میں پوچھا۔

''میرے پاس بڑے حل ہیں لیکن اس پر سوچ بچار کرنے کی زحمت میں نے آپ کو اسی واسطے دی ہے کہ اگر آپ کچھ نہیں کریں گے تو مجبوراً ہمیں خود کرنا پڑے گا۔ میں یونہی کیڑے مکوڑوں کی طرح مرنا نہیں چاہتا۔ یہاں سب گاؤں والے موجود ہیں۔ پوچھیں ان سے......'' میں نے وہاں پر موجود گاؤں کے لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا' تبھی کئی جوشیلے نوجوانوں نے میری ہاں میں ہاں ملائی تو ایک شور برپا ہو گیا۔ ہر کوئی اپنی کہے چلا جا رہا تھا۔ سو اس بزرگ نے سب کو خاموش کراتے ہوئے پوچھا۔

''یہ تم نے ٹھیک بات کہی کہ ہمیں سوچ بچار کرنا چاہیے۔ سوچتے ہیں' اس مشکل سے کیسے نکلنا ہے' اس پر بھی سوچتے ہیں کیا تم نہیں جانتے ہو کہ یہ کتنا مشکل کام ہے؟''

''میں نے تو اپنی بات کہہ دی' اب آپ جانیں اور آپ کا کام......'' میں نے گویا بات ختم کرتے ہوئے کہا' تبھی لوگ اپنے اپنے طور پر تبصرہ آرائی کرنے لگے۔ ہر بندہ اندر سے بھرا ہوا تھا۔ وہ اپنا اظہار چاہتا تھا' لیکن خوف کے باعث بات نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں انہیں اظہار کا موقع ملا تو ان کے اندر کی نفرت ظاہر ہو رہی تھی' وہ سبھی تنگ تھے اور خوف محسوس کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ محفوظ نہیں ہیں۔ میں خاموش بیٹھا سنتا رہا۔ اس دوران چھاکا میرے قریب ہوا اور کان کے پاس بولا۔

''اب چل' جو کام ہونا تھا وہ ہو گیا ہے؟''

میں چند لمحے بیٹھا رہا پھر اٹھ کر ان بزرگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''آپ ہمارے بزرگ ہیں' ہمارے لیے بہت ہی محترم ہیں میں جانتا ہوں کہ یہ اتنا آسان کام نہیں ہے' ہم سب اس پر سوچیں اور کوئی لائحہ عمل بنائیں۔ ہم چند دن بعد پھر یہاں اکٹھے ہوں گے' بڑے احترام کے ساتھ میں آپ سے یہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ صرف اتنا ذہن میں رکھیں' ان سرداروں کی سرداری' علاقے پر حاکمیت صرف ہماری وجہ سے ہے' اب میں چلتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' ایک بزرگ نے کہا تو میں لوگوں میں سے باہر نکل آیا۔

کچھ فاصلے پر چھاکا چند دوستوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ میں ان کے قریب پہنچا تو چھاکے نے بائیک سیدھی کی' میں اس کے پیچھے بیٹھ گیا تو وہ چل پڑا' ذرا سا آگے جا کر اس نے بڑی گرمجوشی سے کہا۔

''رندھاوے نے بڑا کام دکھا دیا ہے یار......''

''کیا؟'' میں نے تجسس سے پوچھا تو وہ تیزی سے بولا۔

''وہ ملک سجاد آ گیا ہے' اور پتا ہے کہاں آ کے ٹھہرا ہے؟''

''اوئے سیدھی بات کر......'' میں نے اکتاہٹ میں کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

''بات یوں ہے پیارے کہ آج شام ملک سجاد ان سرداروں کے پاس آ گیا ہے' اس کے ساتھ کافی سارے بندے بھی ہیں۔ یوں سمجھو فوج ہی لے کر آیا ہے لیکن رندھاوے نے ان کے چار بندے پھڑکا دیئے ہیں پولیس مقابلے میں' وہ بھی اشتہاری تھے۔''

''اوہ واہ......'' میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا' ''لگتا ہے رندھاوا یاری نبھائے گا۔ کہاں ہوا ہے یہ پولیس مقابلہ......؟''

''ہوا یوں کہ ملک سجاد کے آگے پیچھے بندے تھے۔ اب وہ کوئی امن کا پیغام لے کر تھوڑا آیا ہے' رندھاوا ان لوگوں کے انتظار میں تھا' ایک ٹولی مل گئی' انہوں نے پکڑ لی' بس ہو گیا مقابلہ۔''

''اس کا مطلب ہے...... اب تھانے میں اچھی خاصی گہما گہمی ہو گی۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''اور سرداروں کا کیا حال ہو گا؟'' چھاکے نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

''اب ایسے کر' مجھے گھر پر اتار کر سارے دوستوں کو اکٹھا کر...... دلبر کو بھی لے اور بھیدے کے پاس ڈیرے پر چلا جا' میں بھی وہیں آتا ہوں۔ آج رات بہت محتاط رہنا ہو گا۔ سمجھو' ہمیں شکار کرنا ہے' یا پھر ہم شکار ہو جائیں گے......''

''میں سمجھتا ہوں ایسا ہی کچھ ہو گا......'' چھاکے نے کہا اور بائیک تیز کر دی۔ وہ مجھے میرے گھر کے گیٹ پر اتار کر چلا گیا۔

میں گھر میں داخل ہوا تو سامنے دالان نے اماں جائے نماز بچھائے نماز پڑھ رہی تھی۔ اس دن پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ میری ماں کتنی بہادر ہے' اکیلی اتنے بڑے گھر میں رہتی ہے' اسے پوری طرح احساس ہے کہ میں موت کے جنگل میں ہوں' لیکن پھر بھی نہیں گھبراتی' اگر پریشان ہوتی بھی ہو گی تو اس کا اظہار نہیں کرتی تھی۔ ہمیشہ میری ماں نے مجھے حوصلہ ہی دیا تھا۔ کبھی وقت اور حالات سے ڈرایا نہیں تھا۔ میں قریب پڑی

چار پائی پر چپکے سے بیٹھ گیا اور غور سے ماں کو دیکھنے لگا' کتنی بہادر اور پر عزم تھی میری ماں' جس نے اپنے سینے میں انتقام کی آگ نہیں بجھنے دی تھی اور میں نے دودھ کے ساتھ اس آگ کی حدت کو بھی اپنے اندر اتار لیا تھا۔ میں انہی سوچوں میں کھویا ہوا تھا کہ میری ماں نے سلام پھیرا' پھر مجھے دیکھ کر اشارے سے اپنے قریب بلایا' میں ان کے پاس جا بیٹھا تو میرے سر پر پھونک ماری' جیسے اس نے مجھے اپنی دعاؤں کے حصار میں لے لیا ہو۔

''کھانا کھائے گا؟'' ماں نے پوچھا۔

''نہیں اماں' بھوک نہیں ہے تم پڑھو نماز' میں بس کچھ دیر کے لیے آیا تھا' ابھی جا رہا ہوں۔'' میں نے تیزی سے کہا تو اماں نے غور سے میری طرف دیکھا اور بولیں۔

''اپنا خیال رکھنا پتر۔''

یہ کہہ کر وہ بقیہ نماز کے لیے اٹھ گئیں اور میں اوپر چھت پر چلا گیا۔ مجھے وہاں سے کچھ اسلحہ اور رقم لینی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد میں گھر سے اپنی بائیک پر نکلا اور ڈیرے کی طرف چل دیا۔ چاند کی روشنی کچھ زیادہ تھی یا پھر مجھے لگ رہی تھی۔ دور دور سے بھی ہیولے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ میں گاؤں کی گلیوں سے نکلتا چلا گیا اور بڑی سڑک پر آ گیا۔ میں اکیلا تھا اور مجھے معلوم تھا ملک سجاد اس وقت مجھے تلاش کرنے کے لیے اپنے بندے بھیج چکا ہوگا۔ اگر وہ اب تک مجھے تلاش نہیں کر سکے ہیں تو رندھاوے نے انہیں تھانے ہی میں مصروف رکھا ہوگا۔ اس وقت کون کیا کر رہا ہے' مجھے کچھ خبر نہیں تھی۔ نجانے کیوں میرے ذہن میں یہ بات اٹکی ہوئی تھی کہ کسی نہ کسی طرح پیرزادہ وقاص سے رابطہ ہو جائے تو پھر جو میں چاہتا ہوں' وہی ہو جائے گا۔

میں ڈیرے پر پہنچا تو چھاکے کے ساتھ دلبر اور اس کے کئی سارے ساتھی تھے۔ وہ میرے ہی انتظار میں تھے۔ میرے بیٹھتے ہی باتیں شروع ہو گئیں۔ تبھی میں نے پوچھا۔

''یار' ہم یہاں بیٹھے رہیں گے' ارد گرد کی خبر ہمیں کیسے ملے گی؟''

''میں اور دلبر ابھی یہی باتیں کر رہے تھے۔ ابھی ہم یہاں ہیں اور ان لوگوں کا پتہ نہیں وہ کیا کر رہے ہیں اور کدھر ہیں؟'' چھاکے نے کافی حد تک تشویش سے کہا تو میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''کون لوگ؟''

''وہی ملک سجاد کے لوگ؟'' اس نے جواب دیا۔

''ان کے لیے رندھاوا ہی کافی ہے' اگر ایک سوال کا جواب مل جائے تو پھر......'' میں نے کہتے ہوئے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''وہ کیا؟'' چھاکے اور دلبر نے ایک ساتھ بے ساختہ پوچھا تو میں نے کہا۔

''اس وقت پیرزادوں کی کیا کیفیت ہے؟ وہ کیا کر رہے ہیں' ان کی طرف سے خاموشی' سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔''

''میرا نہیں خیال کہ وہ خاموش ہوں گے......'' دلبر نے تیزی سے کہا۔

''یہ محض خیال ہی ہے نا' تصدیق تو نہیں۔'' میں نے کہا۔

''تو یہ کیسے ہوگا؟'' اس نے مایوسانہ لہجے میں پوچھا تو میں نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔

''اگر ایک بار رندھاوے سے ملاقات ہو جائے نا' تو بہت کچھ سامنے آ جائے گا' کیونکہ وہ دائی ہے پورے علاقے کی' کون سا مجرم کہاں ہے' اسے سب معلوم ہوتا ہے۔''

''تو چل نکل چلتے ہیں' مل لیتے ہیں اس سے' یہ کونسی بڑی بات ہے۔'' دلبر نے تیزی سے کہا' وہ خاصا بے تاب دکھائی دے رہا تھا۔

''اوئے ملنا کیا ہے اس سے' اچھو کر یانے والے سے فون ......'' چھاکے نے کہا تو میں نے ٹوک دیا۔

''نہیں' یہ ہم بڑی غلطی کرتے رہے ہیں۔ وہ اگر ہمیں ساری بات بتا سکتا ہے تو دوسروں کو بھی سب کچھ کہہ سکتا ہے۔ تو ایسا کر' یہاں سب سنبھال لے' بلکہ گاؤں میں بندے چھوڑ' تاکہ معلومات ملتی رہے۔ میں اور دلبر جاتے ہیں۔'' میں نے کہا تو وہ فوراً اٹھ گیا۔ پھر تیزی سے بہت کچھ طے کیا اور ہم دونوں بائیک پر نکل کھڑے ہوئے۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ وہ ہمیں تھانے میں مل جاتا۔ میں نے باہر نکلتے ہوئے چھاکے کو اسلحہ اور رقم کے بارے میں سمجھا دیا تھا کہ ان کا کیا کرنا ہے' وہ سمجھ گیا تھا۔ اس وقت آدھی رات ہونے کو تھی' جب میں اور دلبر دونوں ڈیرے سے نکلے اور قریبی قصبے کی جانب چل پڑے۔ میں بائیک چلا رہا تھا اور دلبر اسلحہ لیے میرے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ کچے راستوں پر میں احتیاط سے چلتا رہا' پھر جیسے ہی پکی سڑک آئی میں نے طوفانی رفتار سے بائیک بھگایا اور تقریباً پون گھنٹے میں ہم قصبے جا پہنچے۔ تھانہ کافی حد تک سنسان پڑا ہوا تھا۔ میں نے جاتے ہی باہر کھڑے سنتری سے پوچھا۔

''رندھاوا صاحب ہیں تھانے میں......!''

''جی نہیں' وہ چلے گئے ہیں۔'' اس نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ دلبر نے اپنا اسلحہ چھپایا ہوا تھا۔

''کہاں گئے ہیں۔ مجھے ان سے بہت ضروری ملنا ہے۔'' میں نے کہا کیونکہ وہ مجھے پہچان کر مسکرا دیا تھا۔

''پتہ نہیں گشت پر ہوں یا پھر آرام کرنے کوارٹر پر...... دیکھ لیں۔'' اس نے اشارے میں جواب دیا تو میں نے تھانے کے اندر جا کر بائیک رہائشی علاقے کی طرف موڑ لی۔ ہمیں رندھاوے کا کوارٹر تلاش کرتے چند منٹ لگے۔ میں بائیک روک کر اترا اور جا کر اس کا دروازہ بجایا۔ دوسری دستک کے بعد اس نے دروازہ کھول دیا۔ پھر تیزی سے بولا۔

''جلدی سے اندر آ جا' اسے بھی لے آ اندر۔''

دلبر نے بات سن لی تھی' وہ اترا تو میں نے بائیک کوارٹر کے اندر کر لی' وہ تنہا تھا اور یونیفارم میں تھا۔

''آپ کو کیسے پتا رندھاوا صاحب کہ میں ہی ہوں...... کوئی اور بھی ہو سکتا تھا۔''

''میں ابھی آیا ہوں' تیری پہلی دستک پر میں نے اندر سے جھانک کر تصدیق کر لی تھی کہ باہر کون ہے' مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ تیرے ساتھی کے پاس اسلحہ ہے' چل اب کام کی بات کر' کیوں آیا ہے؟'' اس نے تیزی سے کہا۔

''میں صورتحال جاننے کے لیے آیا ہوں۔ یہ کیا گیم چل رہی ہے......اور میں......''

''تجھے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جب تیرا کام ہوتا تو تجھے بتا دیتا۔ میرا بندہ تم تک پہنچ جاتا تو بے فکر ہو جا۔''

''لیکن پھر بھی......ملک سجاد......''

''اُوئے سن......اس کی تو بہن......وہ اب زندہ یہاں سے نہیں جائے گا۔ پیرزادوں کو یہ باور کرا دیا ہے میں نے کہ تم اس گیم کا حصہ نہیں ہو۔ اس کے تینوں بندے سرداروں نے ہی مروائے ہیں اور یہ جو چار بندے مرے ہیں یہ پیرزادوں ہی نے مارے ہیں۔ ان دونوں کی آپس میں لگ گئی ہے۔ صبح تک دیکھنا کیا ہوتا ہے۔ میں داد دیتا ہوں تیرے ذہن کی' تو نے جو پلان کیا تھا' ویسا ہی ہو رہا ہے۔''

''اگر انہوں نے آپس میں کوئی سمجھوتہ کر لیا تو......'' میں نے ایک خدشہ ظاہر کیا۔

''وہ تو ہونا ہی ہے' آج نہیں تو کل......کل نہیں تو پرسوں......جب بھی انہیں معلوم ہوا کہ گیم کیا ہوئی ہے' مگر یہ اس وقت تک سمجھوتہ نہیں ہو سکتا' جب تک ملک سجاد ادھر ہے۔ کیونکہ پیرزادے یہ سمجھ رہے ہیں کہ انہیں کرش کرنے کے لیے سرداروں نے دوسروں سے مدد لے لی ہے۔ اب ملک سجاد کا مرنا بہت ضروری ہے۔''

''تو پھر اسے مار دیتے ہیں۔'' میں نے یوں کہا جیسے کسی چیونٹی کو مسلنے کی بات کر رہا ہوں۔

''میں جانتا ہوں کہ تم اسے مار دو گے' لیکن یہ مدعا پیرزادوں کے سر ہی پڑنا چاہیے۔ تاکہ یہ دشمنی لمبی ہو جائے۔''

''یہ کیسے ہو گا' ملک سجاد تو یہاں قلعہ بند ہو گیا ہے۔ وہ تو باہر نہیں آ رہا۔'' میں نے یونہی بات چھوڑی' حالانکہ مجھے اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔

''ہاں' یہ تو ہے' میں نے خود اسے سرداروں کی حویلی تک محدود رہنے کو کہا ہے' باہر نکلنے پر میں نے اس کی ذمہ داری نہیں لی' اس کے بندے ڈیرے پر ہیں۔ اور تجھے بتا دوں' آج رات کسی وقت پیرزادوں کے بندوں نے ڈیرے پر حملہ کر دینا ہے' اب انہیں کس کا کتنا نقصان ہوتا ہے' میں نہیں جانتا۔'' اس نے لاپرواہانہ انداز میں کہا تو ایک دم سے میرے ذہن میں خیال رینگ گیا۔ تب میں نے کہا۔

''میں اگر ان کی مدد کروں تو......؟''

''نہیں' پھر تو معاملہ سارا سامنے آ جائے گا۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے' میں کچھ بھی نہیں کروں گا' لیکن اگر میں ملک سجاد کا کام کر دوں تو......'' میں نے اس کو اشارہ دیا تو وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''مجھے کیسے پتا چلے گا کہ تو نے ایسا کر دیا ہے اور پھر سرداروں کی حویلی میں......ناممکن ہے......''

''یہ میرا کام ہے کہ میں یہ کیسے کرتا ہوں' باقی سنبھالنا آپ کا کام ہے۔ یہ میں نہیں جانتا کیسے؟'' یہ کہہ کر میں نے اٹھتے ہوئے اس کے چہرے پر دیکھا' جہاں تفکر کے گہرے اثرات تھے پھر آہستگی سے بولا۔

''کیا میرا وہاں پر ہونا ضروری ہے؟''

''میں نہیں جانتا' لیکن آج رات کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ایک دم سے بولا۔

''ٹھیک ہے' اب جو ہوگا دیکھا جائے گا' تو کر اپنا کام' میں دیکھ لوں گا۔'' وہ اضطراری انداز میں اٹھتے ہوئے بولا' میں نے اس سے ہاتھ ملایا اور پھر مڑ گیا۔ دلبر نے بائیک باہر نکالی' پھر اگلے چند لمحوں میں ہم رہائشی کالونی سے نکلتے چلے گئے۔

رات کا تیسرا پہر ختم ہونے کو تھا۔ چاند مغربی افق کنارے جا لگا تھا۔ چاندنی کی وہ پہلے والی آب و تاب نہیں رہی تھی۔ میں گاؤں کے باہر آ پہنچا تھا۔ میرے ایک طرف گاؤں' تقریباً آدھا کلومیٹر کے فاصلے پر حویلی اور پھر اس سے آگے جا کر تقریباً دو کلومیٹر پر سرداروں کا ڈیرا تھا۔ اگر میں گھوم کر حویلی کے عقب سے نکلتا تو ڈیرے تک جا سکتا تھا' یا پھر سڑک پر جاتے ہوئے میں حویلی کے راستے کے سامنے سے گزرتا' مجھے حویلی اور ڈیرے کے درمیان رکنا تھا۔ مجھے اصل میں حیرت یہ تھی کہ ملک سجاد نے آتے ہی مجھ پر حملہ کیوں نہیں کروایا؟ اس سوال کا جواب تو مجھے گاؤں ہی میں مل گیا تھا کہ اس کے بندے مارے گئے تھے۔ اگر رندھاوا مجھے پیرزادوں کے حملے کے بارے میں نہ بتاتا تو میرے ذہن میں کئی دوسرے خیال آتے چلے جا رہے تھے۔ اب پورا منظر میرے سامنے واضح تھا۔ میں نے ساری احتیاط ایک طرف رکھی اور پکی سڑک پر سیدھا چلتا چلا گیا۔ حویلی کی طرف جانے والے راستے پر کوئی نہیں تھا۔ پھر چند ہی منٹوں میں ہم حویلی اور ڈیرے کے درمیان جا رکے' بائیک بند ہونے سے ایک دم سناٹا چھا گیا۔

''دلبر! تو سمجھ گیا ہے نا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔''

''اچھی طرح.....'' وہ میرے اشاروں سے بات سمجھ گیا تھا۔

''تو نے سامنے نہیں آنا' پھر جیسے ہی میں کہوں نکل جانا ہے' باقی تم خود سمجھ دار ہو۔'' میں نے اپنے طور پر اسے سمجھایا اور پکی سڑک کے دوسری جانب چلا گیا۔ میں نے اپنے پسٹل نکالے' میگزین دیکھے اور پوری طرح تیار ہو گیا۔ میری جیکٹ میں دو دستی بم تھے' جو میں خصوصی طور پر چھت سے اٹھا کر لایا تھا۔

ہمیں وہاں بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ڈیرے کی طرف سے ایک دم فائرنگ ہونا شروع ہو گئی۔ رات کے سناٹے میں فائرنگ کی آواز بہت دور دور تک سنائی دینے لگی تھی۔ میں اپنی جگہ جما رہا' کس طرف سے کتنی گولیاں چلیں' یہ تو نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن تقریباً تیس منٹ تک یہ فائرنگ ہوتی رہی' پھر ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔ تقریباً پانچ منٹ بعد اکا دکا فائر کی آواز آنے لگی۔ میں نے اس طرف توجہ نہ دی' بلکہ اب میں حویلی کے عقب میں اس راستے کو دیکھ رہا تھا جو ڈیرے اور حویلی کے درمیان انتہائی مختصر راستہ تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہاں سے ملک سجاد ضرور باہر نکلے گا۔ کیونکہ میں سرداروں کی فطرت سے واقف تھا۔ ان میں سے کسی نے نہیں نکلنا تھا۔ ملک سجاد تو آیا ہی مجھے ختم کرنے کے لیے تھا۔ لمحہ لمحہ مجھ پر بھاری ہو رہا تھا۔ اچانک گیٹ کھلا اور اس میں سے ہائی ایس ڈالا برآمد ہوا۔ اس کے پیچھے ایک اور بڑی فور وہیل جیپ تھی۔ دونوں تیزی سے آگے بڑھیں اور لمحہ بہ لمحہ آگے آنے لگیں۔ دلبر بائیک سمیت دوسری سمت چھپ چکا تھا اور میں پوری طرح تیار تھا۔ میں نے دونوں پسٹل نکال لیے اور فور وہیل جیپ کی روشنی میں' آگے والی گاڑی کے پچھلے ٹائر کا نشانہ لیا' جیسے ہی وہ رینج میں آیا میں نے فائر داغ دیا۔ ایک دھماکا ہوا اور ٹائر پھٹ گیا' میں نے انتظار نہیں کیا' دوسری گاڑی کے ٹائروں کا نشانہ لیا' یکے بعد دیگرے دو دھماکے ہوئے۔ گاڑیاں ہچکولے کھاتی ہوئی رک گئیں۔ ان کی ہیڈ لائٹس

جلتی رہیں۔ یہی ان سے بہت بڑی غلطی ہوگئی تھی۔ ان کی طرف سے اندھا دھند فائرنگ شروع ہوگئی تھی۔ میں ایک پیڑ کے پیچھے تھا' فوراً اوپر چڑھ گیا۔ ملگجی روشنی میں ان کے ہیولے دکھائی دے رہے تھے۔ میں ایک دوشاخے پر جم کر بیٹھ گیا اور پھر تاک کر ایک ایک کو مارنے لگا۔ انہیں اب تک میری پوزیشن کا اندازہ اس لیے نہیں ہو پار ہا تھا کہ وہ فائر ہونے کی سمت کا تعین ہی نہیں کر پا رہے تھے۔ اور میں نے انہی چند لمحوں کا فائدہ اٹھانا تھا۔ یہاں پر دلبر نے بہت سمجھداری سے کام لیا' اس نے دوسری طرف سے اچانک دو فائر کیے اور اپنی جگہ تبدیل کرلی۔ وہ الجھن کا شکار ہوگئے' اچانک ان کی طرف سے فائرنگ ہونا بند ہوگئی۔ اب میرے لیے یہاں ٹکے رہنا بہت خطرناک تھا۔ میں تیزی سے اترا اور زمین کے ساتھ لگ کر ساکت ہوگیا۔ چند لمحے یونہی پڑا رہنے کے باعث ان کی طرف سے حرکت ہوئی اور پھر سے اندھا دھند فائرنگ ہونے لگی۔ تب میں نے ایک بڑا رسک لینے کا سوچ لیا۔ میں نے دستی بم کی پن کھینچ لی اور پھر تاک کر بم ان کی طرف پھینک دیا۔ چند لمحوں بعد ہی ایک دھماکا ہوا' تیز چیخوں کے ساتھ ہی لمحہ بھر میں ایک اور دھماکا ہوگیا۔ آگے والی فور ویل جیپ پھٹ گئی تھی۔ وہاں تیز روشنی ہوگئی' موٹا سا ایک شخص پوری قوت سے بھاگا' نجانے کیوں میرے ذہن میں یہ آیا کہ یہی ملک سجاد ہوسکتا ہے۔ میں بھی اس کی تاک میں بھاگا' تین چار بندے اس کے ساتھ بھاگ رہے تھے۔ شاید وہی بچے تھے۔ ممکن ہے ان کے ذہن میں یہ ہو کہ دوسری گاڑی بھی پھٹ سکتی ہے اور پھر ہوا بھی ایسے ہی اچانک ہی ہائی ایس ڈالا گاڑی ایک زوردار دھماکے سے پھٹ گئی۔ میں نے بھاگتے ہوئے ان بندوں پر فائرنگ کرنا شروع کردی۔ اس بار انہیں فائر کی سمت کا اندازہ ہوگیا۔ انہوں نے جلدی میں پوزیشن لے لی' مگر تب تک میں دو کو ڈھیر کر چکا تھا۔ اب صرف دو بندے تھے۔ ایک وہی موٹا سا بندہ اور دوسرا اپنے حلیے ہی سے کوئی گارڈ دکھائی دے رہا تھا۔ میں کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر اس گارڈ کا نشانہ لے لیا۔ جیسے ہی اس موٹے بندے کو اندازہ ہوا کہ وہ تنہا رہ گیا ہے' اس نے بھاگنا چاہا' مگر میں نے اس کی ٹانگوں کا نشانہ لیا۔ وہ گر گیا' میں نے آخری میگزین بدلا اور اس کے قریب چلا گیا۔ میں نے اندھیرے میں اسے سیدھا کیا اور پوچھا۔

''ملک سجاد......اپنی آخری خواہش بتاؤ۔''

''کک......کون ہو تم......''اس نے لرزتے ہوئے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

''تمہاری موت...... بڑے دعوے کیے تھے نا تم نے......''میں نے لفظ چباتے ہوئے کہا۔

''میں ہار مانتا ہوں' میں ابھی یہاں سے چلا جاؤں گا' باقی تمہاری مرضی......''اس نے کہا تو میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''جاؤ......! بھاگ جاؤ' اگر بھاگ سکتے ہو' موت کوئی سزا نہیں ہے' جب بھی تمہارے ساتھ کچھ ہوگا' تجھے میں یاد آؤں گا' جاؤ بھاگ جاؤ......''

اس نے اٹھنے کی کوشش کی' مگر نہیں اٹھ سکا' اس نے رحم طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور بولا۔

''مجھے بچالو......''

''نہیں' انسان کو بچایا جاتا ہے' سانپ کو نہیں...... جو برس ہا برس دودھ پلانے والے کو بھی ڈنک مار دیتا ہے...... اب تمہاری قسمت' میں جا رہا ہوں......''میں نے کہا اور تیزی سے اس طرف بڑھا جہاں میں نے دلبر کو چھوڑا تھا' مجھے اندازہ ہی تھا' میں جب وہاں پہنچا تو' یہ دیکھ کر حیران رہ

گیا کہ وہ زخمی حالت میں پڑا تھا' اندھادھند فائرنگ میں اسے کوئی گولی لگ گئی تھی۔

''دلبر.....!اوئے دلبر.....ہوش کر.....''

''میں.....میں.....ٹھیک ہوں.....''اس نے بڑے حوصلے سے کہا تو میں نے اسے تیزی سے اٹھالیا'اس کی گن نجانے کدھر تھی'میں نے بائیک کے پاس پہنچ کر کہا۔

''حوصلہ رکھنا دلبر.....اور مجھے پکڑ کر بیٹھے رہنا'بس گاؤں تک پہنچ جائیں۔''

''تو فکر نہ کر.....''اس نے کراہتے ہوئے کہا'میں نے اسے احتیاط سے بٹھایا'اور پھر بائیک بڑھادی۔

☆ ☆ ☆

صبح کی روشنی ہر طرف پھیل چکی تھی۔جسپال اور ہرپریت نے ساری رات آنکھوں میں کاٹ دی تھی۔وہ کچھ دیر تک چھت پر رہے پھر نیچے کمرے میں آگئے۔انوجیت نے کچھ بندے بلوا لیے تھے'وہی رات بھر پہرہ دیتے رہے۔انوجیت نے فون پر ہی تھانے میں اطلاع دے دی تھی مگر وہاں سے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔پھر ان تینوں نے فیصلہ کیا کہ وہ خود تھانے جائیں گے'ان کی جیپ رات ہی سے وہیں کھڑی تھی۔اس وقت میں اپنی کار میں بیٹھ کر نکل رہے تھے'کلجیت کور انہیں افسردہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔جسپال نے ایک نگاہ ان پر ڈالی اور پھر ہلکے سے مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا اور انوجیت کے ساتھ پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔تب اس نے کار بڑھادی۔ان کا رخ تھانے کی طرف تھا۔راستے میں انہوں نے اپنی جیپ کو دیکھا'اس کا اگلا حصہ ہی ڈسٹرب ہوا تھا۔باقی سب ٹھیک تھا۔وہ تینوں جیپ دیکھتے ہوئے خاموش رہے۔انوجیت نے کار آگے بڑھائی'جبکہ جسپال ان جگہوں کو دیکھنے لگا جو اس کی سمجھ کے مطابق رات اس نے بھاگ دوڑ میں پار کی تھی۔عجیب طرح کا تاثر اس کے اندر پھیل گیا تھا'جس میں غصہ' نفرت اور انتقام کی شدت زیادہ تھی۔وہ اپنے طور پر سوچنے لگا تھا کہ اب اس نے کیا کرنا ہے'دشمن تو اس تک پہنچ گیا ہے'یہی سوچتے ہوئے وہ تھانے کے گیٹ پر جا پہنچے۔کار ایک طرف پارکنگ میں لگانے کے بعد وہ تینوں اس پرانی سی عمارت کے اندر چلے گئے۔انوجیت کو معلوم تھا کہ جس پولیس آفیسر سے ملنا ہے'وہ کہاں بیٹھتا ہے'وہ تینوں اردلی کی پروا کیے بغیر کمرے میں چلے گئے۔یہ وہی کمرہ تھا جہاں چند دن پہلے جسپال آیا تھا لیکن اب وہاں کرسی پر ایک نیا پولیس آفیسر براجمان تھا۔وہ ایک اسمارٹ نوجوان تھا۔شاید اس کی پہلی تعیناتی ہی یہاں ہوئی تھی۔اس نے ان تینوں کی طرف غور سے دیکھا'اور ان کے بیٹھنے سے پہلے ہی بولا۔

''کون ہیں آپ لوگ.....اور کیسے آنا ہوا؟''

''آپ کا قصور نہیں آفیسر.....لگتا ہے آپ نے پولیس کی نوکری ابھی جوائن کی ہے۔''جسپال نے کہا اور کرسی پر اس کے سامنے بیٹھ گیا تو وہ دونوں بھی ادھر ادھر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''میں سمجھا نہیں اور نہ ہی آپ نے میرے سوال کا جواب دیا ہے۔''اس آفیسر نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''رات بھر آپ کو فون کرتے رہے'لیکن فون سن لینے کے بعد بھی کوئی ہماری مدد کو نہیں پہنچا۔''جسپال نے قدرے اکھڑ لہجے میں کہا۔

''رات.....'' اس نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اس کا علم نہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے میز پر پڑی گھنٹی بجائی تو فوراً ہی اردلی آ گیا۔ ''ست پال کو بلاؤ۔''

''یس سر.....'' یہ کہہ کر اردلی واپس مڑ گیا تو وہ جسپال کی طرف دیکھ کر بولا۔

''آپ بتائیں؟''

تبھی جسپال نے انتہائی اختصار کے ساتھ رات والے واقعے کے بارے میں بتا دیا۔ وہ بڑے غور سے سنتا رہا پھر جب جسپال کہہ چکا تو اسی دوران ست پال اندر آ گیا۔ یہ وہی شخص تھا' جس نے جسپال کو فارم بھرنے کے لیے دیا تھا۔ ست پال نے ساری بات سمجھ کر کہا۔

''سر رات تھانے میں ایک بندے کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا۔ وہ اکیلا کہاں جاتا؟''

''لیکن مجھے اب تک بتایا نہیں گیا؟''

''میں بتانے والا ہی تھا جی۔'' وہ منمناتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے' ایف آئی آر درج کرو' باقی میں دیکھتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ جسپال کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ ''میں ابھی موقع دیکھتا ہوں' آپ پلیز......''

اس نے کہا تو جسپال اٹھ گیا۔ انہیں ابتدائی رپورٹ لکھواتے کچھ دیر ہو گئی' اس سے فراغت کے بعد وہ وہاں سے چل دیئے۔ وہ سمجھ گئے کہ یہاں مزید رکنا بے کار ہوگا۔

''اب کیا پروگرام ہے' ان کا انتظار کرنا ہے؟'' انوجیت نے کار میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ لوگ پتا نہیں کب آئیں گے' تو حویلی کی طرف چل' دیکھیں کام کتنا مکمل ہوا ہے' میں چاہتا ہوں کہ جتنی جلدی مکمل ہو جائے اتنا ہی بہتر ہے۔''

تب انوجیت نے کار کا رخ اس طرف کر لیا' کچھ ہی دیر بعد وہ اس چوک میں پہنچ گئے' جس کے ایک کونے میں ان کی حویلی تھی اور وہاں بہت ساری مزدور کام کر رہے تھے' کچھ ہی دیر بعد ٹھیکیدار ان کے پاس آ گیا۔ وہ کچھ دیر کام سے متعلق باتیں کرتے رہے' جسپال ابھی وہیں پر تھا کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔ اس نے اسکرین دیکھی' وہ وینکوور سے فون تھا۔ اس نے ریسیو کر کے ہیلو کہا تو دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''آپ کمپیوٹر کے پاس ہیں؟''

''ابھی تو نہیں؟'' اس نے جواب دیا۔

''تو پھر آپ فوراً کمپیوٹر پر آئیں۔'' دوسری طرف سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا۔ اس کے دماغ میں الارم بج گیا تھا۔ سو اس نے ٹھیکیدار سے اپنی بات سمیٹی اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔

''اتنی جلدی۔'' ہرپریت نے پوچھا۔

''ہاں' ابھی بتاتا ہوں۔'' اس نے دور کھڑے انوجیت کو اشارے سے چلنے کا کہا اور کار کی جانب بڑھ گیا۔

جس وقت وہ پکی سڑک سے گھر جانے والی کچی سڑک پر آئے تو کچھ پولیس والوں کے ساتھ پولیس آفیسر بھی کھڑا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی جسپال نے کہا۔

''انوجیت' تم ذرا انہیں ڈیل کرنا' میرا گھر پہنچنا ضروری ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے کچھ فاصلے پر کار روک دی' انوجیت اتر گیا تو اس نے ڈرائیونگ سنبھال لی' پھر وہ وہاں نہیں رکا اور سیدھا گھر چلا گیا۔ کار سے اترتے ہوئے اس نے کسی حد تک حیران ہرپریت کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تم ایسا کرو' چائے کی تیز پیالی بنا کر اوپر میرے کمرے میں آجاؤ' فوراً۔''

''کیا ہوتی سے نہ کہہ دوں۔'' اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا' تب تک وہ اندر کی جانب چل دیا تھا۔

''جو تم مناسب سمجھو۔'' یہ کہتے ہوئے وہ سیڑھیاں چڑھ گیا۔ وہ اپنے کمرے میں پہنچا' لیپ ٹاپ اٹھایا اور اسے آن کر کے صوفے پر بیٹھ گیا۔ وینکوور سے اس کا خاص دوست جسمیندر سنگھ ڈھلوں آن لائن تھا۔

''ہاں بولو!'' اس نے کہا۔

''تمہیں روبیندر سنگھ کے بارے میں معلومات چاہیے تھیں نا۔''

''ہاں تو......'' وہ تیزی سے بولا۔

''وہ میں نے تمہیں میل کر دی ہیں تصویروں اور نقشوں کے ساتھ...... پڑھنے کے بعد ڈیلیٹ کر دینا اور باقی میں نے امرتسر میں سارا سیٹ اپ کر دیا ہے' بس تمہیں وہاں پہنچنے کی تاریخ بتانا ہوگی' باقی سارا انتظام وہ کر دے گا۔''

''میں آج ہی نکلوں گا' اور رات کے کسی پہر وہاں پہنچ جاؤں گا' یا ممکن ہے شام سے پہلے ......'' اس نے جوش بھرے لہجے میں کہا' جس میں کافی حد تک غصہ چھلک رہا تھا۔

''تو ٹھیک ہے' میں تمہیں ایک نمبر بھیج دیتا ہوں' امرتسر جاتے ہی رابطہ کرنا' اور اس بندے پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرنا' وہ بہت بھروسے مند ہے' تم نہیں جانتے اس کی آدھی سے زیادہ فیملی ادھر ہے' جسمیندر سنگھ نے اسے پورے اعتماد سے بتایا۔

''ٹھیک' بھیجو نمبر......''

''اور ہاں' یہ سب کچھ میں نے اسی سے حاصل کیا ہے' میرے پاس محفوظ ہے' جب چاہے دوبارہ بھیج دوں گا۔ لیکن تم کوئی رسک نہ لینا۔''

''اوکے' میں سمجھ گیا۔'' جسپال نے تیزی سے کہا۔ پھر کچھ وقت تک ان میں آپس کی دوستوں اور فیملی کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں کہ ہرپریت آ گئی۔ تبھی اس نے اسے اپنے ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئی۔ چند منٹوں بعد جسمیندر آف لائن ہو گیا۔ تبھی اس نے اپنا ان بکس کھولتے ہوئے کہا۔

''ہرپریت...... میں ابھی کچھ دیر بعد امرتسر جا رہا ہوں۔''

''کیوں' اکیلے ہی......''اس نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں' اکیلے ہی' کیا تم جانا چاہو گی میرے ساتھ......اور جہاں تک کیوں کا سوال ہے' وہ تمہیں ابھی بتا دیتا ہوں۔''

اس وقت تک ان بکس کھل گیا تھا اور ایک میل پر اس نے کلک کر دیا' اگلے ہی لمحے اس کے سامنے ایک صفحہ کھل گیا' جس میں تصویروں کے ساتھ رویندر سنگھ کے بارے میں تفصیلات بتائی گئی تھیں۔

''اوہ...... یہ کیا......'' ہرپریت کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''جان گئی ہو' میں امرتسر کیوں جا رہا ہوں......؟''

''یہ بھی تو دیکھو جسّی' اتنا پروٹوکول' اتنے باڈی گارڈ' اور یہ محل نما گھر......تم یہ سب اکیلے کیسے کرلو گے......''

''واہ گرو پر بھروسہ رکھو ہرپریت......سب ہوگا' یہی تو کرنے آیا ہوں۔'' اس نے ان تصویروں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی پوری توجہ اسکرین پر تھی اور اس میں دی گئی معلومات کو ذہن نشین کر رہا تھا۔

''تو پھر...... جسّی...... میں تمہارے ساتھ جاؤں گی......''اچانک ہرپریت نے کہا تو وہ چونک گیا۔

''کیا کہا تم نے......؟'' وہ کسی حد تک حیرت سے بولا تو وہ اس کی طرف دیکھ کر قدرے افسوس بھرے لہجے میں بولی۔

''میں نے کسی غیر زبان میں تو بات نہیں کی۔ میں نے وہی کہا ہے جو تو نے سمجھا ہے۔''

''ہرپریت' یہ کوئی بحث نہیں ہے' اور میں کسی سیر پر نہیں جا رہا' نجانے حالات کیسے ہوتے ہیں اور میں......'' اس نے سمجھانا چاہا تو وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

''مجھے یہ بتاؤ جانا کب ہے' میں اپنے طور پر تیار ہو جاؤں۔''

''اوکے......! لیکن کلجیت پھوپھو کو تم نے خود جواب دینا ہے' میں نے نہیں۔'' اس نے ایک دم سے کہا تو وہ سنے بغیر کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ جسپال اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا' پھر اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

دوپہر ڈھلنے والی تھی جب وہ اوگی پنڈ سے نکلے۔ کلجیت کور نے انہیں بڑی دعائیں دے کر وداع کیا تھا۔ انوجیت انہیں جالندھر تک چھوڑنے گیا تھا۔ وہاں سے آگے وہ بس کے ذریعے جانا چاہتے تھے۔ وہ تینوں خاموش تھے اور اسی خاموشی میں وہ جالندھر جا پہنچے۔ بس اسٹینڈ پر جب وہ سامان اتار چکے تو جسپال نے انوجیت سے بغل گیر ہوتے ہوئے کہا۔

''چل اب تو جا' شام ہونے سے پہلے پہلے اوگی واپس پہنچ جا' اپنا اور بے بے کا بہت خیال رکھنا۔''

''اور تم بھی......'' انوجیت نے گرم جوشی سے کہا پھر ہرپریت سے ملا اور گاڑی میں بیٹھ کر واپس چلا گیا۔ امرتسر جانے والی بس تیار تھی۔ رات کا پہلا پہر ختم ہونے کو تھا' جب وہ امرتسر پہنچ گئے۔ رستے ہی میں اسے جسمیندر کے دیئے ہوئے نمبر پر کال کی تھی۔ وہاں سے ایک

لڑکی نے کال ریسو کی۔ وہ اسے جانتی تھی اور بس اسٹینڈ پر ہی ملنے کو کہا تھا۔ وہ بس سے اتر کر ارد گرد نگاہیں دوڑا رہے تھے کہ جسپال کا سیل فون بج اٹھا۔ اس نے اسکرین پر وہی نمبر دیکھا اور کال ریسو کر لی۔ تبھی ہیلو کے جواب میں لڑکی نے کہا۔

''آپ نے سیاہ پتلون پر نیلی دھاری والی سفید شرٹ پہنی ہے نا؟ اور ساتھ میں کاسنی رنگ کے.....''

''ہاں..... ہاں.....'' اس نے جواب دیا۔

''تو میں آپ کے بالکل سامنے کھڑی ہوں۔ میں نے سیاہ سوٹ پہنا ہوا ہے' سفید شرٹ پر ٹائی.....''

''میں نے دیکھ لیا۔'' جسپال نے کہا اور سامنے کان کے ساتھ فون لگائے لڑکی کو ہاتھ سے اشارہ کیا' وہ ان کی طرف بڑھ آئی اور پھر گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے شستہ انگریزی میں بولی۔

''میں کرن جیت کور' آپ مجھے کرن پکار سکتے ہیں۔ امرتسر میں آپ کو خوش آمدید کہتی ہوں۔'' پھر ہرپریت سے ہاتھ ملا کر بہت پیار سے کہا۔ ''بہت خوب صورت ہیں آپ..... آئیں چلیں۔''

یہ کہتے ہی وہ کسی روبوٹ کی مانند پلٹی اور پھر چلتی چلی گئی' وہ اپنا سامان اٹھا کر کچھ فاصلے پر کھڑی فور وہیل جیپ میں جا بیٹھے' ڈرائیونگ سیٹ پر ایک صحت مند نوجوان بیٹھا ہوا تھا' جس کا صاف رنگ' تیکھے نقوش' کلین شیو اور چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ کرن اور ہرپریت پچھلی نشست پر بیٹھ گئیں۔ جسپال پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا تو اس نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''کمل ویر سنگھ ہوں' آپ میرے پاس ہی آئے ہیں۔''

جسپال نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''مطلب' آپ میزبان ہیں۔''

''جی اور کرن مجھ سے بھی بڑھ کر آپ کی میزبان ثابت ہوگی۔'' اس نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ کہا پھر بیک مرر میں ہرپریت کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''آپ ہرپریت ہیں نا.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے گیئر لگا دیا۔

''ہاں' کیا تم جانتے ہو مجھے.....؟'' اس نے پوچھا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے جسمیندر نے بتایا تھا' خیر اچھا ہے' میری اور کرن کی موجودگی میں جسپال کو بوریت نہیں ہوگی۔'' اس نے اشارے میں کہا اور پھر ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنس دیا پھر جسپال سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''وہ سب کمپیوٹر سے صاف کر دیا تھا نا۔''

''بالکل اور ہم نے کب.....'' وہ کہنا چاہ رہا تھا کہ کمل ویر نے کہا۔

''یہ باتیں ہم گھر جا کر کریں گے' ابھی تو آپ امرتسر کو سمجھنے اور اسے دیکھنے کی کوشش کریں' بڑا تاریخی شہر ہے۔''

''کیا تم نہیں سمجھتے ہو؟'' جسپال نے پوچھا۔

''میں تو نہ جانے کب کا سمجھ چکا' اگر فقط میں نے ہی سمجھنا ہوتا نا تو آپ کو یہاں بلانے کی ضرورت کیا تھی۔'' اس کے لہجے میں گہری

سنجیدگی تھی۔

''چلیں گھر جا کر سمجھ لیتے ہیں۔'' اس نے کہا اور خاموش ہو گیا۔

کمل ویر تیزی سے جیپ بھگائے لیے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک پوش علاقے میں تھا۔ وہاں جدید طرز پر گھر بنے ہوئے تھے۔ یوں دکھائی دے رہا تھا کہ جیسے یہاں امیر طبقے کے لوگ ہی رہائش پذیر ہیں۔ پھر ایک موڑ مڑنے کے بعد کمل ویر نے کہا۔

''جسپال' غور سے دائیں طرف دیکھو' رویندر سنگھ کا گھر پہچان لو گے نا۔''

''ہاں' وہ رہا سامنے.....'' اس نے ایک گھر پر نگاہ ٹکاتے ہوئے کہا تو کمل ویر بولا۔

''ایک نظر ہی دیکھ پاؤ گے.....ہم نے یہاں رکنا نہیں۔''

''اوکے.....!'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا' لیکن اس کے اندر ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی اترے اور دندناتا ہوا اندر گھس جائے' سامنے ہی کہیں رویندر سنگھ ملے اور وہ اپنے پسٹل کی ساری گولیاں اس کے بھیجے میں اتار دے۔ مگر یہ محض خیال تھا' اس نے اپنا سر جھٹکا اور سامنے دیکھنے لگا۔

''جسپال جی.....! جو دل چاہے کرنا' ہم بھی یہیں اور یہ بھی یہیں۔'' کمل ویر نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ تب وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

اس پوش علاقے سے نکلنے کے بعد' کچھ دیر بعد وہ ایک ایسے علاقے میں جا پہنچے' جہاں ابھی اتنی آبادی نہیں ہوئی تھی۔ بڑے بڑے گھر تھے' لیکن ابھی کئی زیر تعمیر تھے۔ ایک ہو کا عالم تھا' چاندنی کے ساتھ برقی قمقموں سے بہت حد تک روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ایک قلعہ نما گھر کے سامنے رک گئے' جلد ہی گیٹ کھول دیا گیا تو جیپ سمیت پورچ میں جا رکے۔

''یہ لیں جی' ہمارا گھر آ گیا۔'' کمل ویر نے کہا اور اتر گیا۔ وہ سب بھی اتر کر اندر کی جانب چل دیئے۔ پہلے پہل تو یوں لگا جیسے ان کے علاوہ کوئی ہے ہی نہیں' پھر دھیرے دھیرے کچھ ملازم اور ملازمائیں نظر آنا شروع ہو گئیں' جو لفظوں سے زیادہ اشارے سمجھتے تھے۔ ''یہاں کسی قسم کا بھی تکلف نہیں' آپ اپنے کمرے سے ہو آئیں' پھر ڈنر کرتے ہیں۔''

جسپال نے سر ہلایا تو کرن انہیں لے کر کمرے کی طرف چلی گئی۔ شاہانہ انداز میں سجایا گیا کمرہ ان کا منتظر تھا۔

''کیسا لگا تمہیں کمل اور کرن.....مطلب.....ڈبل کے.....'' ہرپریت نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اچھا.....بہت اچھا.....باقی اس کا کام دیکھ کر.....'' جسپال نے محتاط انداز میں کہا اور پھر واش روم کی جانب بڑھ گیا۔

نہایت پرتکلف ڈنر کے بعد جب برتن اٹھائے جانے لگے تو وہ چاروں ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ کمل ویر نے اپنا لیپ ٹاپ کھول لیا پھر ویسی ہی معلومات کا صفحہ نکال کر بولا۔

''یہ ہے رویندر سنگھ کا گھر.....آج وہ یہاں نہیں دہلی میں ہے' لیکن اس کا پتر.....ہردیپ سنگھ آج ادھر ہی ہے' ورنہ یہ اپنے باپ کے

ساتھ ہی ہوتا ہے'اس کی پتنی اور بیٹا بھی یہیں ہیں۔ابھی ہم یہاں سے کچھ دیر بعد نکلیں گے۔''

''واؤ......ابھی......'' ہرپریت کے منہ سے بے ساختہ نکلا تو کمیل اور کرن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا' پھر چند لمحے دیکھتے رہنے کے بعد وہ پھر اسکرین پر دیکھ کر بولا۔

''یہ اس کے گھر کا نقشہ ہے۔'' پھر ایک جگہ نشاندھی کر کے بولا۔''یہاں سے ہم نے اندر جانا ہے'ہمارے لیے جو سب سے اچھی بات ہے وہ یہ کہ اس عمارت میں کتے نہیں ہیں۔ ہردیپ سنگھ کو کتے پسند نہیں ہیں'اس لیے اس نے اپنی سیکیورٹی پر بندے زیادہ لگائے ہوئے ہیں۔ یہ عمارت میں داخل ہونے کا بہترین پوائنٹ ہے۔'' اس نے ماؤس کے تیر سے ایک جگہ کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا۔ پھر اس کے ساتھ ہی وہ پلان کی تفصیلات بتانے لگا جسے چند منٹ تک سبھی نے خاموشی سے سنا'تبھی جسپال نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تو پھر کب چلنے کا ارادہ ہے؟''

''بس ابھی کچھ دیر بعد......! مجھے ایک فون کال کا انتظار ہے۔'' کرن نے کمل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوکے......!'' وہ گردن ہلاتے ہوئے بولا تو ہرپریت اٹھ کر اندر چلی گئی۔ چند منٹ تک ان میں خاموشی رہی پھر بوریت سے اکتاتے ہوئے جسپال پلان کے مختلف پہلوؤں پر بات کرنے لگا۔ اتنے میں ہرپریت پلٹ آئی۔ اس نے بلیو جین اور سیاہ ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی' اپنی زلفیں کس کر پونی کی صورت میں باندھ لی تھیں۔ ٹی شرٹ کے اوپر اس نے ایک جیکٹ پہنی تھی جو سلیولیس تھی۔ پاؤں میں گرے جاگرز'وہ پوری طرح تیار دکھائی دے رہی تھی۔ سبھی نے ایک نگاہ اسے دیکھا' ممکن نے کوئی تبصرہ ہوتا لیکن ایسے میں کرن کا فون بج اٹھا۔ ہیلو کے بعد وہ کچھ دیر سنتی رہی' پھر اوکے کہہ کر فون بند کر دیا۔

''ہردیپ سنگھ' اپنی پتنی اور بیٹے کے ساتھ'اس وقت اوپر والے پورشن میں موجود ہے'وہ ان کے ساتھ بیٹھا ایک دلچسپ انڈین فلم دیکھ رہا ہے'جو زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ مزید چلے گی۔''

''سیکیورٹی کی کیا پوزیشن ہے؟'' کمل نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''وہ تو وہی ہے'رہائش گاہ کے سامنے کی طرف ڈرامہ کرنا ہوگا۔'' کرن نے کہا۔

''اوکے......! آؤ چلیں۔'' کمل نے کرسی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا تو وہ سبھی اٹھ گئے۔

وہ ایک ہی جیپ میں نکلے تھے۔ لیکن دو تین چوراہوں کے بعد دو کاروں نے ان کا پیچھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ انہی کے ساتھ تھے۔ تقریباً آدھے گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد وہ اس پوش علاقے میں پہنچ گئے۔ تبھی کمل نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔

''جسپال۔! یہاں کچھ کرنا اتنا مشکل نہیں ہے لیکن کر کے فرار ہونا بہت مشکل ہے'اس لیے کسی کا انتظار کیے بغیر جسے نکلنے کا چانس ملتا ہے'وہ نکل جائے۔''

سب نے سن لیا' مگر بولا کوئی نہیں' وہ کچھ فاصلے پر کھڑی سیکیورٹی گارڈز کی ایک گاڑی کو دیکھ رہے تھے۔ اگلے چند منٹ میں وہ اس رہائش

گاہ پر پہنچ گئے۔ کمل نے وہاں گاڑی نہیں روکی بلکہ سڑک کے ساتھ ہی ٹرن لے لیا' اور عمارت کی پچھلی طرف جا کر رک گئے۔ اسٹریٹ لائٹ ہر جانب روشن تھی۔ انہوں نے گاڑی رکتے ہی چشم زدن میں ادھر ادھر دیکھا اور باؤنڈری وال کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئے۔ اس طرف جھاڑی نما پودے اور چھوٹے پھول دار درخت تھے۔ چند لمحے دبکے رہنے کے بعد کمل کھڑا ہوا۔ کرن بھی اس کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔ کمل نے اپنے ہاتھ جوڑ کر پیٹ کے ساتھ لگائے۔ کرن نے اس پر پاؤں رکھا اور خاردار تاروں کے تلے چاردیواری پر ہاتھ کو مضبوطی سے جمایا۔ دوسرے ہاتھ سے کٹر کالا' پھر بڑی احتیاط سے لوہے کی تار کاٹ دی۔ ایک لمحے کے لیے وہ ساکت ہوگئی۔ انہیں بتا دیا گیا تھا کہ خاردار تاروں میں بجلی کی رو کو بند کر دیا گیا ہے لیکن پھر بھی احتیاط ضروری تھی۔ تار کٹتے ہی الارم بجتے تو سارا معاملہ ہی ٹھپ ہو جاتا۔ مگر کچھ نہ ہوا' اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ اندر کی معلومات درست ہیں۔ تبھی کرن نے ہولے سے کہا۔

"اوکے...... کٹ گئی۔"

"گارڈ......" کمل نے ہلکے سے پوچھا۔

"سامنے تو نہیں ہیں۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔

"چلو پھر......" اس نے کہا تو کرن اُچک کر اوپر اٹھ گئی۔ اسی لمحے جسپال اور ہرپریت نے بھی ایسا ہی کیا۔ ہرپریت اوپر پہنچ گئی۔ اس وقت تک دونوں چاردیواری کی دوسری طرف کود گئی تھیں' جب کمل نے جسپال کو اوپر چڑھنے میں مدد دی' جسپال دیوار پر چپک کر لیٹ گیا اور اس نے ایک بازو سے کمل کو سہارا دیا۔ وہ آنا فاناً پیر جماتا' اوپر اٹھ گیا۔ اس سارے عمل میں ایک سے دو منٹ صرف ہوئے اور وہ چاردیواری کی دوسری طرف دبک کر بیٹھے ہوئے تھے۔

اسی اثنا میں دو کاروں کے ٹائروں کے چرچرانے کی تیز آواز گونج اٹھی۔ پلان یہی تھا کہ رہائش گاہ کے سامنے دو کاریں آمنے سامنے یوں رکیں گی جیسے حادثہ ہو جانے والا ہو پھر دونوں طرف سے لوگ اتر کر ایک دوسرے کے ساتھ گتھم گتھا ہو جائیں گے' یہاں تک کہ اسلحہ نکل آئے گا' یہی وہ وقت تھا جب ہم نے اپنے طور پر ہردیپ سنگھ تک پہنچنے کی کوشش کرنی تھی۔

وہ رہائشی عمارت کا پچھلا حصہ تھا۔ اس طرف گارڈز ہونے چاہیے تھے لیکن وہ اس وقت موجود نہیں تھے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ ادھر نہ آئیں گے۔ ایک بڑے سارے برآمدے میں اندر کی طرف ایک دروازہ تھا اس کی حالت سے لگتا تھا کہ وہ بند ہی رہتا ہوگا' جس کمرے میں متوقع طور پر ہردیپ موجود تھا' اس کے ساتھ ہی ایک لوہے کا پائپ اوپر تک جاتا تھا' جسپال تیزی سے اس پائپ پر چڑھنے لگا' جبکہ کمل اور کرن اسی دالان میں تاریکی کا حصہ بن گئے' نیچے ہرپریت کور کھڑی تھی' جسپال کو اوپر پہنچنے میں زیادہ سے زیادہ ایک منٹ لگا ہوگا' وہ کھڑکی تک پہنچ گیا۔ باہر کی طرف سے لوگوں کے ہلکے ہلکے شور کی آوازیں آنے لگی تھیں جو یقیناً وہاں پر بہت اونچی ہوں گی۔ جسپال نے کھڑکی میں سے دیکھا' سامنے ٹی وی چل رہا تھا۔ اس کے سامنے پڑے صوفے پر ایک مرد' عورت اور بچے کی گردنیں دکھائی دے رہی تھیں۔ بلاشبہ کھڑکی کا شیشہ ٹوٹنے سے آواز پیدا ہونی تھی۔ مگر یہ رسک اسے لینا تھا۔ اس کے ساتھ اندر کی طرف تو شیشہ تھا' لیکن باہر لوہے کی مضبوط جالی تھی' جسے وہ فوراً کاٹ نہیں سکتا تھا۔ یہی اس کی راہ

میں رکاوٹ تھی' ورنہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اندر جا کر خود اپنے ہاتھوں سے ہردیپ سنگھ کا گلا دبا دے' پھر اس پر مٹی کا تیل چھڑک کر اپنی آنکھوں سے اس کے جلنے کا تماشہ کرے' اس کے پاس اپنی ان خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے وقت نہیں تھا۔ اس نے آناً فاناً شیشہ توڑ دیا۔ جس سے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں نے چونک کر کھڑکی کی طرف دیکھا' اس کے سامنے ہردیپ سنگھ تھا جو حیرت سے کھڑکی کی جانب دیکھ رہا تھا' اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتا اور کسی پناہ میں چھپ جاتا' اس نے ٹریگر پر انگلی رکھ دی' یکے بعد دیگرے تین فائر ہوئے' ایک فائر اس کے چہرے پر لگا تھا جس سے خون کے فوارہ ابل پڑا تھا' وہ مزید وہاں رکنا نہیں چاہتا تھا' وہ فوراً نیچے کی جانب لپکا' کھڑکی میں سے چیخنے چلانے اور کراہوں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔

اس وقت تک کمل دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ کرن نے اپنا پاؤں اس کے ہاتھوں پر رکھا اور چار دیواری پر جا پہنچی' ایسا ہی ہرپریت نے کیا' پھر جسپال اور آخر میں کمل نے اسے اوپر اٹھالیا' چشم زدن میں وہ چاروں دیوار کے پار تھے۔ رہائشی عمارت کے اندر بھگدڑ مچ چکی تھی۔ ایک کہرام تھا جو اٹھ گیا تھا۔ اب ان کے پاس ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ وہ چاروں تقریباً ایک ہی وقت میں بیٹھے تھے۔ چابی اگنیشن میں تھی' کمل نے سٹارٹ کے لیے چابی گھمائی' انجن جاگتے ہی اس نے گاڑی بھگادی۔ وہ اس پوش کالونی کا مین گیٹ بند ہو جانے سے پہلے وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا' ورنہ گاڑی چھوڑ کر گلیوں اور دکانوں کے راستوں میں سے نکلنا تھا اور یہ انتہائی درجے کا رسک تھا۔ وہ کالونی میں کہاں تک بھاگتے' کرن' ہرپریت اور جسپال ہتھیار لیے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ پکڑے جانے سے زیادہ لڑنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ دو تین موڑ مڑنے کے بعد سامنے مین گیٹ تھا' کمل نے رفتار دھیمی کرلی' رہائشی کالونی کے اس گیٹ پر سیکیورٹی گارڈ بھی زیادہ تھے۔

''جسپال' ذرا سا رسک بھی نہ لینا' اگر انہوں نے روکنے کی کوشش بھی کی تو اڑا دینا۔'' کمل نے دانت بھینچے ہوئے کہا۔ اس کی پوری توجہ ڈرائیونگ پر تھی۔ تبھی ان کی نگاہ گیٹ کے باہر والی طرف پڑی' جہاں ان کے پیچھے آنے والی کاروں کے لوگ کھڑے تھے۔ وہ کسی ہنگامی صورت حال ہی کے لیے تھے' وہ لوگ اپنا ڈرامہ ختم کر کے کالونی سے باہر آچکے تھے۔ اس وقت کالونی سے نکلنے والے مین گیٹ کا فاصلہ تقریباً دو گز رہا ہوگا' جب ایک طرف بنے ہوئے سیکیورٹی گارڈز کے کیبن سے ایک شخص تیزی سے نکلا' اس کے کان کے ساتھ سیل فون لگا ہوا تھا۔ اس نے چیخ کر کہا۔

''روکو...... روکو...... اس گاڑی کو روکو......''

کمل نے ایک دم سے اسپیڈ بڑھا دی' اگلے ہی لمحے وہ گیٹ سے باہر تھے۔ جس وقت وہاں موجود گارڈز سمجھتے' وہ گیٹ پار کر چکے تھے۔ جیپ کو انتہائی خطرناک انداز میں دائیں جانب موڑا تو فائرنگ کی آواز آئی' دونوں سیاہ کاریں چل پڑی تھیں۔ بلاشبہ اب نہ صرف ان کا تعاقب کیا جاتا تھا' بلکہ پورے امرتسر کی پولیس ان کی تلاش میں نکل پڑنے والی تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ رنجیت ایونیو کے گول چکر کے پاس آگئے' تبھی کمل نے گاڑی کو ٹرن دیا اور ایک بڑی ساری شاپ کے سامنے جیپ روک لی' پھر ہنستے ہوئے بولا۔

''شریف لوگوں کی طرح اپنے اپنے ہتھیار چھپا کر باہر نکلو' فوراً۔'' یہ کہتے ہوئے' اس نے گاڑی بند کی اور اتر کر یوں دکان کی جانب چل پڑا جیسے اسے کوئی جلدی نہ ہو' وہ وقت ضائع کرنے کے لیے آیا ہے' اتنے میں وہ بھی اس کے پاس آگئے تو اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔'' اس شاپنگ مال کے اندر ہی اندر سے دوسری جانب نکلنا ہے۔ کرن اور ہرپریت الگ ہو جاؤ' کسی ٹیکسی میں بیٹھو...... رابطہ ہو جائے گا۔'' وہ شاپنگ سینٹر

کی اندر چلے گئے' دونوں لڑکیاں یوں دکھائی دے رہی تھیں جیسے ان کے ساتھ کوئی مرد نہیں ہے' بظاہر مطمئن دکھائی دینے والے' تیزی سے دوسری طرف کے راستے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ جسپال نے یونہی پیچھے مڑ کر دیکھا' ایک پولیس گاڑی ان کی جیپ کے پاس آ کر رک گئی تھی۔

''کمل نکلو۔'' اس نے بے ساختہ کہا' اور قدم بڑھا دیئے۔ دوسری جانب ٹیکسیاں اور رکشے کھڑے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی ایک رکشے والا ان کے قریب آ گیا۔ وہ لپک کر اس میں بیٹھ گئے۔

''کدھر جانا ہے باؤ جی۔''

''جہاں اچھی سی فلم لگی ہو......'' کمل نے تیزی سے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ یہ سنتے ہی وہ چل پڑا۔ کمل نے تیزی سے ایس ایم ایس کرن کو بھیج دیا۔ مگر ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا' وہ دونوں کسی حد تک پریشان ہو گئے۔ تبھی اس نے کرن کو فون کر دیا۔

''کدھر ہو۔'' رابطہ ہوتے ہی اس نے پوچھا۔

''ٹیکسی میں بیٹھ کر نکل پڑے ہیں۔'' کرن نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

رکشا کچھ دیر تک چلتا رہا' تبھی کمل نے اس سے کہا۔

''اوئے یار...... کدھر لے کر جا رہا ہے کچھ بتاؤ تو......''

''باؤ جی' دوسرا شو تو شروع ہو گیا ہوگا' میں اب تک سوچ رہا ہوں کہ آپ کو کدھر لے جاؤں'

''چل پھر تو ایسا کر ہمیں کسی کھانے پینے والی دکان پر چھوڑ' اور تو جا......'' اس نے ایک قریب آتی ہوئی مارکیٹ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ رکشے والے نے انہیں وہاں چھوڑ دیا' اور آگے بڑھ گیا۔ وہ مارکیٹ میں چلے گئے' کچھ دیر ٹہلنے کے بعد جسپال نے کہا۔

''اب چلیں' رات گہری ہو رہی ہے' زیادہ رسک نہ لیں۔''

''اب ہم نے ادھر نہیں جانا' بلکہ جب تک کسی نئے ٹھکانے کے بارے میں کرن نہ بتا دے' اب ہم نے ادھر نہیں جانا۔''

''وہ کیوں......؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ اس لیے کہ ہماری جیپ پکڑی گئی ہے' اگرچہ وہ چوری کی تھی لیکن دو دن سے وہ میرے استعمال میں تھی۔ لوگوں نے دیکھا ہے......'' کمل نے ہنستے ہوئے کہا۔

''وہ گھر......'' جسپال نے حیرت سے پوچھا تو وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''چوکیدار جانے اور وہ گھر...... ایسے کئی ٹھکانے مل جاتے ہیں' وہاں سے اپنا سامان شفٹ ہو چکا ہوگا۔''

''واہ......! کیا پلاننگ ہے۔''

''پچھلے دو ہفتے سے جسمیندر رہائی جی نے میرے ذمے یہ کام لگایا ہوا ہے' میں نے......'' لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ اس کا سیل فون

بج اٹھا' دوسری جانب کرن تھی' اس نے کالونی اور گھر کا نمبر بتا دیا اور پہنچ جانے کو کہا' تبھی فون بند کر کے بولا۔ ''لو بائی جی' ٹھکانہ مل گیا' چلیں۔'' یہ کہہ کر اس نے ادھر ادھر دیکھا' ایک ٹیکسی پکڑی اور وہ دونوں اس میں بیٹھ گئے۔

وہ ایک اوسط درجے کے سرکاری ملازمین کی کالونی تھی۔ وہاں پہنچ کر لگ رہا تھا کہ جیسے یہ تا حد نگاہ پھیلی ہوئی ہے' جلد ہی وہ اپنے مطلوبہ نمبر والے دکان پر پہنچ گئے' کمل نے ٹیکسی چھوڑ دی' پھر کرن سے کنفرم کیا' وہ بالکونی میں آ گئی' کچھ دیر بعد وہ کمرے کے اندر تھے۔ دوسری منزل پر قدرے سکون تھا اور کافی حد تک خاموشی۔ انہوں نے جوتے اتارے اور پلنگ پر دراز ہو گئے۔

''ہرپریت کدھر ہے؟'' جسپال نے پوچھا تو وہ واپس پلٹتے ہوئے بولی۔

''کچن میں ہے' ہم نے راستے میں کچھ کھانے پینے کے لیے لے لیا تھا۔'' یہ کہہ کر وہ کمل ویر کی جانب دیکھ کر بولی۔ ''ہم نے یہاں نہیں رہنا' اس لیے سونا نہیں' ہم نے صبح ہونے سے پہلے یہاں سے نکلنا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔

''اوکے میم صاحب۔'' کمل ویر نے کہا اور سامنے پڑا ٹی وی چلا دیا۔ دو چار چینل بدلتے ہی اس کا مطلوبہ چینل مل گیا۔ نیوز کاسٹر پورے جوش و جذبے کے ساتھ ایک ایم ایل اے کے بیٹے کے قتل کی خبر کے ساتھ اس کی جزئیات بتا رہی تھی۔ پس منظر میں کھڑکی سے دیوار کی کٹی ہوئی تاریں' صوفے پر خون کے دھبے' مین گیٹ والے گارڈ کا بیان' غم زدہ بیوی اور بیہوش بچہ دکھایا جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد رویندر سنگھ دکھایا گیا' وہ کہہ رہا تھا۔

''میں ابھی اس قتل کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا' مجھے اور میرے بیٹے کو کئی دنوں سے دھمکیاں مل رہی تھیں۔ یہ کسی کھاڑکو (دہشت گرد) گروپ کی کارروائی لگتی ہے' میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ ہم بکنے والے ہیں اور نہ جھکنے والے' اپنے دیش کے لیے ہم قربان ہو جانے کا جذبہ رکھتے ہیں......''

''بند کر اس بہن......'' جسپال سنگھ نے غصے میں کہا تو کمل ویر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پھر ٹی وی بند کرتے ہوئے بولا۔

''یار......! میں یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ملزموں کی تلاش کس سطح پر کی جا رہی ہے اور مزید آگے کس ٹریک پر تلاش ہو گی۔''

''تمہاری سوچ سے بھی زیادہ۔'' جسپال نے کہا

''کیوں......؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''میں نے کمیشن کے دو بندے بھی پھڑکائے ہوئے ہیں' اور وہ......'' جسپال نے کہنا چاہا تو وہ حیرت سے بولا۔

''اوہ......اس کا مطلب ہے مجھے بھی اسی سطح پر سوچنا ہو گا۔'' یہ کہہ کر وہ چند لمحے سوچتا رہا' پھر ہنستے ہوئے بولا۔ ''اوہ واہ یار...... میں بھی پاگل ہوں...... جتنا پروٹوکول نظر آئے گا' اتنا ہی پھنسیں گے۔ تو چل سکون سے دو دن آرام کر...... پھر دیکھی جائے گی۔''

یہ لفظ کرن نے سن لیے تھے' وہ کھانا لے کر آئی تھی' اس لیے بولی۔

''کچھ بھی ہے یہاں سے نکلنا ہے' ادھر کی عورتیں بڑی کن سوئی رکھتی ہیں' فی الحال کھانا کھائیں' آؤ ہرپریت۔''

''لیکن میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔'' جسپال نے کہا۔

''کیا.....؟'' کمل ویر نے پوچھا۔

''یہی کہ ابھی یہاں سے نکل جاؤ' ورنہ اوگی میں وہ انوجیت کو تنگ کریں گے۔اور یہ امرتسر میرے لیے چوہے دان بن سکتا ہے۔''

جسپال نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔

''کہاں جاؤ گے۔''

''نکودر یا پھر دہلی.....'' جسپال نے حتمی انداز میں کہا تو وہ بولا۔

''''چل ٹھیک ہے' پہلے کھانا کھا' پھر سوچتے ہیں۔''

وہ چاروں کھانے کے لیے بیٹھ گئے اور ان کے درمیان خاموشی آن ٹھہری۔

☆ ☆ ☆

دلبر کا خون بہت زیادہ بہہ گیا تھا۔اس کی حالت بہت نازک ہو رہی تھی' اس کا ہسپتال پہنچ جانا بہت ضروری تھا۔مگر گاؤں میں اطلاع دینا بھی ضروری تھا۔میں نے ایک لمحے کے لیے فیصلہ کیا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔میں نے ہسپتال جانے کو ترجیح دی۔

''اوئے دلبر.....! حوصلہ رکھنا' میں تجھے ہسپتال لے جا رہا ہوں۔ذرا سا وقت لگ جائے گا۔''

''اوئے نہیں اوئے.....تو مجھے گاؤں لے چل' سمجھ کہانی مک گئی ہے' ہسپتال لے کر میری لاش.....''

''اوئے حوصلہ رکھ.....''

''نہیں.....جمالیا' نہیں.....تجھے نہیں پتہ.....'' دلبر نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا اس وقت تک میں گاؤں جانے والی کچی سڑک پر آ گیا تھا۔میں نے فیصلہ کر لیا کہ چند کلومیٹر کے فاصلے پر موجود ہسپتال میں دلبر کو لے کر جاؤں گا۔میں اسے بے رحمی سے بے بسی کی موت نہیں مرنے دینا چاہتا تھا۔میں نے تڑپ کر کہا۔

''دلبر.....! میرے ویر' بس ذرا سا دم لے.....میں تجھے ہسپتال ضرور لے جاؤں گا' میرے ویر بس ذرا سا حوصلہ۔''

''چل تو کر لے.....کوشش.....'' اس نے بے دم ہوتے ہوئے کہا اور میں نے بائیک کی اسپیڈ بڑھا دی۔میں ابھی کچھ ہی آگے گیا تھا کہ سڑک کے ایک طرف مجھے کچھ موٹر سائیکل کھڑے ہونے کا شک ہوا۔میں ٹھٹک گیا' اگر دشمن ہوئے تو مجھے بھی یہیں ڈھیر کر دیں گے' اور اگر زندگی ہوئی تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔میں نے رفتار کم نہیں کی اور زن سے ان کے پاس سے گزر گیا۔میں نے محسوس کیا کہ وہ بائیک میرے پیچھے لگ چکے ہیں۔دلبر نے یقیناً پیچھے مڑ کر دیکھا تھا' اس لیے بولا۔''چند موٹر سائیکل والے.....ہمارے.....پیچھے.....ہیں.....''

''آنے دو.....بس تو قابو ہو کر بیٹھ.....'' میں نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا لیکن حیرت یہ تھی کہ ابھی تک کسی نے فائر نہیں کیا تھا۔میں اگر ان کی جگہ ہوتا تو اب تک بائیک گرا لیتا۔بہرحال میں اپنی پوری توجہ سامنے رکھے ہوئے تھا' اور قصبے کے ہسپتال پہنچ گیا۔میں نے بائیک روکی تو دلبر ایک طرف لڑھک گیا۔میرا دل دھک سے رہ گیا۔میں نے بائیک کو ایک طرف پھینکا اور دلبر کو قابو میں کر لیا۔آس پاس کوئی نہیں تھا' جو میری مدد

کرتا' میں نے اسے قابو کیا اور وہیں زمین پر لٹا دیا۔ اتنے میں موٹر سائیکلوں کی روشنی ہم پر پڑی' میں دیکھ ہی نہ سکا کہ دلبر کیسا ہے؟

''اوئے کیا ہو گیا اس کو......'' چھاکے نے چیخ کر کہا تو میرے حواس ایک دم سے بحال ہو گئے' دشمنی والی لہر ایک دم سے ختم ہو گئی تھی۔ جس وقت تک وہ اتر کر میرے قریب آتے' میں نے اس کی نبض دیکھی جو بہت آہستہ چل رہی تھی۔

''اوئے دیکھو' یہاں کوئی بندہ ہے؟''

فوراً ہی وہ سب ارد گرد پھیل گئے۔ ایک نے میرے ساتھ دلبر کو اٹھایا اور اسے قریب پڑے ایک بینچ پر لٹا دیا' اس کے خون سے میرے بدن پر چپچپاہٹ ہونے لگی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد ایک ڈسپنسر آنکھیں ملتا ہوا اندر سے نکلا' پھر یوں ایک بندے کو خون میں لت پت دیکھ کر حواس باختہ سا ہو گیا۔ اس نے جلدی سے چوکیدار کو آواز دی' پتا نہیں کیا نام لیا تھا اس نے' وہ بھاگتا ہوا آیا تو ڈسپنسر نے کہا۔

''ڈاکٹر صاحب کو بلا کر لاؤ فوراً ایمرجنسی ہے۔''

وہ بھاگتا ہوا رہائشی کوارٹر کی طرف چلا گیا۔ میرے اندر ایک دم سے بے چینی اتر آئی تھی۔ دلبر' موت اور زندگی کی دہلیز پر پڑا تھا۔ اب ڈاکٹر آنے میں پتا نہیں کتنا وقت لگتا ہے' میں نے اس بے چینی میں قریب کھڑے چھاکے سے کہا۔

''تم وہاں کیسے......؟''

''تمہیں آنے میں بڑی دیر ہو گئی تو میں نے تمہارے پیچھے جانے کے لیے ان کو ساتھ لیا اور گاؤں سے باہر آ گیا۔ ابھی یہاں پہنچے ہی تھے کہ حویلی کے پیچھے فائرنگ کا سن کر یہاں رک گئے' ابھی مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ قصبے کی طرف جاؤں یا پھر حویلی کی طرف...... اتنے میں بائیک دکھائی دی' اندھیرے میں پتا نہیں چلا کہ کون ہے' جب تو بالکل سامنے سے گزرا تو پتا چلا' بس پھر تیرے پیچھے پیچھے یہاں تک آ گئے۔''

''اچھا ہو گیا...... لیکن مجھے لگتا ہے ڈاکٹر پولیس کیس کا بہانہ کر کے اس کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔'' میں نے بے چینی اور بے یقینی میں کہا تو وہ بولا۔

''پھر کیا کریں......''

''تو کسی طرح جا اور رندھاوے کو یہاں لے آ...... اسے صورت حال بتا دینا' کوئی اور ہو تو کہنا راستے میں ڈکیت پڑ گئے تھے۔'' میں نے سوچ کر سمجھاتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھ گیا۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے اپنے موٹر سائیکل کی جانب بڑھا' تب تک ڈاکٹر تیزی سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے دلبر کو ایک نگاہ سے دیکھا اور کہا۔

''مریض کو آپریشن تھیٹر میں لاؤ فوراً۔''

''تم نے...... جلدی آنا ہے۔'' میں نے چھاکے کو ایک دم رکتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ باقی سب نے دلبر کو اٹھایا اور آپریشن تھیٹر میں جا لٹایا۔ ڈسپنسر آکسیجن سلنڈر لے آیا تو ڈاکٹر نے پوچھا۔

''ہوا کیا ہے' اتنا خون......''

''میں اور یہ ادھر سے اپنے گاؤں جا رہے تھے۔ راستے میں ڈکیت پڑ گئے' بس انہوں نے گولیاں ماری ہیں' اب پتا نہیں......'' میں نے تیزی سے کہا تو ڈاکٹر نے میری حالت پر ایک نگاہ دوڑائی' وہ تجربہ کار شخص لگتا تھا' ادھیڑ عمر تھا' اب پتا نہیں میری بات کا یقین کیا تھا یا نہیں' تاہم وہ تیزی سے اپنا کام کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد دلبر کی سانس بحال ہونے لگیں تھیں۔ اس نے تیزی سے ایک کاغذ پر کچھ دوائیں وغیرہ لکھ کر دیں' اور کہا۔

''یہ کسی نہ کسی طرح لے آئیں' رات اگرچہ کافی ہوگئی ہے ممکن ہے کوئی ایک دوکان ابھی کھلی ہو۔''

میں نے کاغذ کا پرچہ لیا اور اپنے دو ساتھیوں کو دیتے ہوئے کہا۔

''فوراً لے آؤ۔ دیر نہیں کرنی۔''

انہوں نے کاغذ پکڑا اور آناً فاناً چلے گئے۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد دلبر کی حالت بحال ہوگئی۔ اسے دو گولیاں لگی تھیں۔ تب تک ڈاکٹر اس کے ساتھ مصروف رہا۔ اتنے میں ایک پولیس والا اے ایس آئی' وہاں آ گیا۔ اس کے ساتھ دو سپاہی تھے۔ وہ بھی ڈاکٹر کے انتظار میں تھے۔ کچھ دیر بعد وہ باہر آیا اور مجھے دیکھ کر بولا۔

''بلاشبہ مریض کی یہ اپنی قوت مدافعت تھی کہ وہ اب تک زندہ ہے ورنہ خون بہت بہہ گیا ہے' ایک تو خون کا فوری بندوبست چاہیے ......دوسرا خدشہ ہے کہ اس کے بدن میں زہر کا اثر ہو جائے...... اس لیے جس قدر جلدی ممکن ہو سکے' اسے ضلعی ہسپتال میں لے جائیں۔ وہاں سہولتیں ہیں' یہاں نہیں ہیں۔''

''ایمبولینس تو ملنے سے رہی۔'' میں نے بڑبڑاتے ہوئے کہا پھر ڈاکٹر کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''آپ خون لے لیں' تب تک کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا اور واپس پلٹ گیا۔ چھاکا آ گیا تھا' تبھی مجھے پولیس والوں کا خیال آیا تو میں نے اے ایس آئی سے پوچھا۔

''رندھاوا صاحب' وہ کہاں ہیں؟''

''پتہ نہیں جی' وہ کچھ دیر پہلے آپریشن کے لیے نکلے ہیں۔ آپ رپورٹ وغیرہ لکھوائیں چل کر تھانے میں......''

''مجھے اس وقت گاڑی چاہیے...... جو مریض کو لے کر ضلعی ہسپتال جائے' رپورٹ تو رندھاوا صاحب آئیں گے تو لکھواؤں گا۔'' میں نے کافی حد تک غصے میں کہا' جس پر پولیس والے نے مجھے گھور کر دیکھا' میں سمجھ رہا تھا کہ اس وقت اس کی کیا حالت ہوگی' میں نے کوئی پروا نہیں کی۔

''ٹھیک ہے وہ آ جائیں تو لکھوا دینا رپورٹ۔'' وہ یہ کہتا ہوا واپس مڑ گیا۔ میں نے اس کی پروا نہیں کی۔ سبھی اپنا اپنا خون ٹیسٹ کروانے چل دیئے تھے لیکن ہمارا ایک دوست موٹر سائیکل لے کر ہسپتال سے باہر چلا گیا۔ مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اچانک کیوں نکلا ہے۔

مشرقی افق پر سرخی نمودار ہونے کو تھی' جب پوری کوشش کے باوجود دلبر کا سانس اکھڑنے لگا۔ میرا وہ دوست جو اچانک نکلا تھا' وہ ایک کار لے کر آ گیا تھا' اس کا کوئی دوست قصبے میں تھا' ڈاکٹر پوری تندہی کے ساتھ اس کی زندگی بچانے میں مصروف تھا' خون بھی دستیاب ہو گیا تھا' لیکن دلبر کی سانسیں قابو میں نہیں آ رہی تھیں۔ اچانک اس کے جسم کے سارے روم کھل گئے تھے' ایک ایک روم کانٹے کی مانند کھڑا ہو گیا' اور پھر اس کی گردن

ایک جانب ڈھلک گئی۔ میرے اندر دکھ کی ایک شدید لہر سرایت کر گئی۔ مجھے وہ جیتا جاگتا دلبر یاد آنے لگا جس نے کچھ ہی دیر قبل آگ اور خون کی ہولی کھیلی تھی' میری آنکھوں کے گوشے نم ہو گئے۔

''سوری یار......!'' ڈاکٹر نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھتا ہوں ڈاکٹر۔ آپ نے بہت کوشش کی' لیکن اس کی زندگی نہیں تھی۔''

میں نے بھیگے ہوئے لہجے میں کہا تو ایک بار پھر سے میرا کاندھا تھپکا کر ڈاکٹر چلا گیا۔ ہم نے انتہائی دکھ سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا' پھر میں چھاکے کو اس کی نعش اٹھانے کا اشارہ کر کے باہر نکلتا چلا گیا۔

اس وقت سورج نکل چکا تھا جب ہم گاؤں نورنگر واپس پہنچے۔ دلبر کے مرجانے کی اطلاع آناً فاناً پورے گاؤں میں پھیل گئی۔ ہم نے جس وقت میت ان کے گھر جا کر رکھی تو ایک کہرام مچ گیا۔ میرے کپڑوں اور بدن پر خون جم کر رہ گیا تھا' میں نے چھاکے کو اشارہ کیا اور گھر سے باہر نکل آیا۔

''بولو کیا بات ہے۔'' اس نے میرے قریب آ کر پوچھا۔

''اس کی آخری رسومات کا اچھی طرح انتظام کرو' رقم ہے کچھ......''

''ہاں ہے......'' اس نے جواب دیا۔

''میں کپڑے بدل کر آتا ہوں۔ رات کے واقعہ کی سن گن لے' ملک سجاد کو میں نے رات شدید زخمی کر دیا تھا۔ اب معلوم نہیں' وہ کدھر ہے۔'' میں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس کا بھی پتا چل جائے گا' تم جاؤ اور جلدی سے واپس آ جاؤ۔'' چھاکے نے کہا تو میں نے اپنی بائیک لی اور گھر کی طرف چل دیا۔

گیٹ کھلا ہوا تھا اور میں بائیک سمیت اندر چلا گیا۔ صحن کے ایک کونے میں بائیک کھڑی کی اور لاشعوری طور پر ماں کو دیکھنے لگا' وہ مجھے کہیں دکھائی نہیں دیں۔ میں نے دل ہی دل میں اسے اچھا خیال کیا کہ یوں خون میں لت پت کپڑے دیکھ کر ممکن ہے وہ گھبرا جاتیں' اگرچہ ایسا کبھی ہوا نہیں تھا کہ ماں صبح ہی صبح کسی کے گھر جائے' ممکن ہے دلبر کا سن کر کہیں آس پڑوس میں چلی گئی ہوں۔ میں نے جلدی سے نہانے اور کپڑے بدلنے کی سعی کی' تاکہ جب تک ماں آئے میں ان کپڑوں سے نجات لے لوں' میں نے الماری سے کپڑے نکالے اور باتھ روم میں گھس گیا' کچھ دیر بعد میں نہا دھو کر تازہ دم ہو گیا۔ اس وقت میں آئینے کے سامنے کھڑا کنگھا کر رہا تھا' جب چھاکا گھر میں داخل ہوا۔

''تو کیوں آ گیا ہے۔ میں ابھی آ ہی رہا تھا۔'' میں نے اونچی آواز میں کہا اور کنگھا رکھ دیا۔

''وہ رندھاوا صاحب آئے ہیں۔'' وہ دور ہی سے بولا اور باہر والا کمرے کھولتے چلا گیا۔ میں بھی وہیں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد چھاکا باہر جا چکا تھا اور ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

''یار......! رات کمال کر دیا تو نے۔ اتنی جلدی کر دیا سب کچھ...... میں تو سوچ رہا تھا کہ دو چار دن لگ جائیں گے۔''

''بس دیکھ لیں' قسمت نے یاوری کی ہے...... مجھے دلبر کا بہت افسوس ہے' وہ رات میرے ساتھ تھا۔'' میں نے روہانسا ہوتے ہوئے کہا۔

''خیر......! یہ تو قسمت کی بات ہے' اب سن' وہ شدید زخمی ہے اور اسے شہر لے گئے ہیں۔ اب پتا نہیں اس کا کیا بنا ہے۔ رات میری شاہ دین سے بات ہوگئی تھی' اس نے سارا وقوعہ ہی الٹ دیا ہے اور نامعلوم ڈکیتوں پر ڈال دیا ہے۔ یہی کچھ تم نے کہا۔''

''تو پھر......!'' میں نے پوچھا۔

''پھر کیا...... وہ سب تو یہاں نہیں ہیں' شاہ دین بھی بہت ڈرا ہوا ہے' ہوسکتا ہے وہ آج دن میں کسی وقت یہاں سے چلا جائے' شاہ زیب کافی نڈر ہے' میں نے اس کی طرف سے شک وشبہ لے لیا ہے۔ پیرزادوں کے خلاف آج ان کی پکڑ دھکڑ کروں گا۔''

''ملک سجاد سے کوئی بات نہیں ہوئی' مطلب' آپ نے اسے دیکھا بھی نہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں نا...... خیر...... ! تم اپنا بیان دے دو...... میں وقوعہ کا وقت اس سے پہلے لکھ دوں گا' جو انہوں نے لکھوایا ہے۔ اب دو چار دن کچھ نہیں کرنا' بس پیرزادوں کی پکڑ دھکڑ ہوگی تو وہ تڑپیں گے' دو دن بعد میں تمہیں بتاؤں گا کہ اب گیم کیا بنی ہے۔''

''لیکن ملک سجاد مرا نہیں ہے نا...... اس کا مجھے افسوس رہے گا۔'' میں نے جان بوجھ کر کہا۔

''اوئے اچھا ہے یہ...... زخم چاٹے گا۔ اور ادھر نور نگر میں دلبر کا قتل بھی پیرزادوں کے کھاتے میں ڈالنے کی افواہ پھیلائی ہے۔ بس...... باقی دو دن بعد......'' رندھاوے نے سمجھاتے ہوئے کہا اور پھر اٹھتے ہوئے بولا۔ ''اب چلتا ہوں...... ادھر آ کر اپنا بیان لکھوا دینا۔''

''کوئی چائے وائے تو......'' میں نے پوچھا۔

''پھر کبھی سہی۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے نکل گیا۔ میں وہیں بیٹھا چند لمحے اس صورت حال پر غور کرتا رہا' پھر اٹھ کر باہر صحن میں آ گیا۔ میرے پیٹ میں بھوک نے ہلچل مچائی ہوئی تھی لیکن اماں ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ بھیدے نے ابھی تک دودھ بھی نہیں پہنچایا تھا۔ میں گرم ہوتے ہوئے دماغ کے ساتھ باہر جانے کے لیے بائیک نکالی' تبھی سامنے گھر والی ماسی مختاراں تیزی سے اندر آئی وہ خاصی گھبرائی ہوئی تھی۔

''او جمالے...... کدھر جا رہا ہے......؟''

''دلبر کے گھر' کیوں خیر تو ہے' اتنی پریشان دکھائی دے رہی ہے۔''

''اب پتا نہیں' اس بات پر پریشان ہونا چاہیے یا نہیں' لیکن رات کے پچھلے پہر' ایک بڑی ساری جیپ ادھر آ کر رکی تھی' میں اس وقت جاگ رہی تھی۔ تمہاری ماں نے دروازہ کھولا تھا' وہ جیپ باہر ہی کھڑی رہی۔

''پھر......!'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''کچھ دیر بعد' جب حویلی کی طرف شدید فائرنگ ہوئی تھی' اس وقت تیری ماں اور وہ لڑکی' جو چند دن پہلے تیرے پاس آئی تھی' وہ جیپ میں بیٹھ کر چلی گئیں۔''

''کیا کہہ رہی ہو ماسی تم......'' میں نے تقریباً چیختے ہوئے کہا تو وہ ایک دم سے گھبرا گئی' پھر تیزی سے بولی۔

''میں نے پوچھا تھا کہ اچانک اس وقت کہاں جا رہی ہو؟''

''پھر کیا کہا......'' میں نے بائیک سے اترتے ہوئے پوچھا تو اس نے ہاتھ میں ایک مڑا تڑا کارڈ میری طرف بڑھایا اور بولی۔

''اس لڑکی نے کہا تھا کہ یہ کارڈ جمال کو دے دینا۔ یہ لو......''

میں نے وہ کارڈ تیزی سے پکڑا' اس پر کسی ڈانس پارٹی کا پتہ درج تھا۔ پشت پر ایک سیل فون نیلے رنگ کی بال پن سے گھسیٹا ہوا تھا' مجھے ایک دم سے اپنی دنیا اندھیر ہوتی ہوئی معلوم ہوئی' ایک طرف مجھے اپنی ماں پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ مجھ سے پوچھے بغیر کیوں چلی گئی' اور دوسری طرف میں سوہنی کی اس حرکت پر پاگل ہو رہا تھا' میں ایک دم سے باہر جانے کے لیے لپکا کہ اچھو کریانے والے کی دکان پر جا کر سوہنی کو فون کروں لیکن پھر ٹھٹک گیا' کیا مجھے ایسا کرنا چاہیے یا نہیں؟ ماسی مختاراں واپس جا چکی تھی۔ میں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ سوہنی نے ایسا کیوں کیا؟ میرا دماغ ایک دم سے ماؤف ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

یہ خوف بھی عجیب شے ہوتی ہے۔ جس شخص کے اندر وارد ہو جائے' اس کے دشمنوں کو مزید شہہ دینے کا فائدہ دے دیتا ہے۔ کیونکہ خوف کا اظہار چہرے ہی سے نہیں عمل سے بھی ظاہر ہوتا ہے اور دشمن اس کا فائدہ اٹھا لیتا ہے' یہی خوف اگر نہ رہے تو دشمن پر فتح کی طرف آخری قدم تک حوصلہ برقرار رہتا ہے اور پھر محض خوف کا تاثر کبھی کبھی منافقت کو بے نقاب کرنے میں انتہائی مدد دیتا ہے۔ منافق فقط اس وقت شہہ پکڑتا ہے جب اسے یقین ہو جائے کہ جس کے بارے میں وہ محض' عناد کے ساتھ سازش تیار کر رہا ہے' وہ خوف زدہ ہے' خوف زدہ ہونے کا یقین ہوتے ہی وہ کھل کر اپنی پوری خباثت کے ساتھ سامنے آ جاتا ہے' کیونکہ منافق بنیادی طور پر بزدل ہوتا ہے' بزدلی ہی کمینگی کو شہہ دیتی ہے۔

جسپال نے ایک دم سے محسوس کیا کہ کمل ویر انجانے میں اسے خوف زدہ کرتا چلا جا رہا ہے۔ وہ پورے خلوص کے ساتھ اسے بچانے کے چکر میں کچھ زیادہ ہی محتاط ہو گیا تھا۔ وہ کھانا کھا چکے تھے' جب رات کا آخری پہر شروع ہو گیا تھا۔ اس وقت تک کمل ویر نے ایک ٹیکسی کا بندوبست کر لیا تھا۔ جس کا ڈرائیور اس کا اپنا خاص آدمی تھا۔

''میں سوچ کر تو یہی آیا تھا کہ کافی دن رہوں گا' لیکن کام جلدی ہو گیا' میں جلدی آؤں گا دوبارہ۔'' جسپال نے کمل ویر سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''میں انتظار کروں گا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے ہاتھ کو دبایا پھر اس نے کرن سے ہاتھ ملایا اور ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور ادھیڑ عمر کا اور کافی حد تک سانولے رنگ کا سکھ تھا' جس کی داڑھی خشخشی ہو چکی تھی۔

رات گہری ہو چکی تھی اور چاند مغربی افق کی جانب جھک گیا تھا۔ جب وہ امرتسر سے نکلے' ہرپریت پچھلی نشست پر تھی اور جسپال آگے پسنجر سیٹ پر' اس نے پسٹل پاؤں میں رکھا ہوا تھا۔ ڈرائیور نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ اس کی شکل ہی سے لگ رہا تھا کہ وہ خاموش طبع بندہ ہے۔ اس کی تمام تر توجہ سڑک پر تھی۔ جسپال کو بھی یہ احساس تھا کہ صرف شہر سے ہی نکلنا مشکل ہوگا' پھر آگے انہیں آسانی ہوگی۔ سڑک پر اتنا رش نہیں تھا' جیسے جیسے وہ شہر سے باہر جا رہے تھے' رش کم ہوتا چلا جا رہا تھا اور ان کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اچانک ڈرائیور نے رفتار کم کر دی' کچھ ہی فاصلے پر ناکہ لگا

ہوا تھا' تبھی ڈرائیور نے کہا تھا۔

''صاحب گھبرانا نہیں' میں سب سنبھال لوں گا۔''

''اوکے......!'' جسپال نے اس سے زیادہ بات کرنا پسند نہیں کیا' وہاں پر چند پولیس والے ہی تھے۔ یوں جیسے معمول کے مطابق ہی ناکہ لگا ہو۔ ڈرائیور نے ان کے قریب جا کر گاڑی روک دی۔ تبھی ایک پولیس والا آگے بڑھا اور ٹیکسی کے اندر جھانکتے ہوئے بولا۔

''کدھر سے آ رہے ہو اور کدھر جا رہے ہو؟''

''ایئرپورٹ سے......ترن تارن جا رہے ہیں صاحب جی۔'' ڈرائیور نے معمول کے مطابق کہا۔

''مطلب فارن کی سواریاں نا......'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا تو ڈرائیور جلدی سے باہر نکل گیا۔ وہ سپاہی بھی اس کی جانب چلا گیا۔ ٹیکسی کے پیچھے چند لمحے کھڑے رہنے کے بعد وہ واپس آیا' ٹیکسی ویسے ہی اسٹارٹ تھی' اس نے گیئر لگایا اور چل دیا۔

''یہ ہے جی ہماری پولیس کا حال' چند نوٹ میں چاہے جو مرضی کرلو...... ادھر میڈیا پر آگ لگی ہوئی ہے اور ان کا سکون دیکھو۔'' ڈرائیور نے اپنے طور پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ پر جسپال نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ پھر وہ بھی خاموش ہو گیا۔

اس وقت سورج نکل رہا تھا' جب وہ نکودر شہر میں داخل ہو گئے۔ جسپال کے ذہن میں تھوڑا بہت ایڈووکیٹ گل کے گھر کا آئیڈیا تھا' لیکن ہرپریت اس بارے میں جانتی تھی۔ پھر ایک جگہ اس نے ڈرائیور سے کہا۔

''ہمیں یہیں اتار دو۔''

ڈرائیور نے اتنا ہی سنا اور سڑک کے کنارے گاڑی لگا دی۔ جسپال نے جیب میں ہاتھ ڈال کر چند بڑے نوٹ نکالے اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ لو......اسے کرایہ......''

''نہیں صاحب......! مجھے سب کچھ مل گیا ہے' آپ جائیں۔'' اس نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اوکے......! مل گیا ہوگا' لیکن یہ تمہارا ناشتہ ہے جو ابھی میں نے تمہیں کروانا تھا' جسپال نے نوٹ اس کی جیب میں رکھتے ہوئے کہا اور گاڑی سے اتر گیا' ہرپریت پہلے ہی اتر چکی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور چلا گیا تو ہرپریت نے ایڈووکیٹ گل کا نمبر ملایا۔ کچھ ہی دیر بعد فون ریسیو کر لیا گیا۔

''انکل جی' میں ہرپریت...... یہاں نکودر میں...... جی آ کر بتاتے ہیں نا...... ہاں میرے ساتھ جسپال بھی ہے۔ جی...... آجائیں۔'' یہ کہہ کر وہ وہاں کی لوکیشن بتانے لگی۔ فون بند کر کے اس نے جسپال کو دیکھا جو غیر محسوس انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ایڈووکیٹ گل کی گاڑی ان کے پاس آن ٹھہری' وہ پھر اسی ترتیب سے بیٹھ گئے۔ تبھی گیئر لگاتے ہوئے گل نے پوچھا۔

''اچانک......؟''

''امرتسر سے آ رہے ہیں؟'' ہرپریت بولی۔

''کیوں......؟''وہ چونکا۔

''رویندر سنگھ کے پتر، ہردیپ کو قتل کر کے......''وہ دھیرے سے بولی۔

''اوہ......!تو وہ تم لوگ تھے......''اس نے حیرت بھرے لہجے میں بات پوری نہ کی۔

''ہاں......! ہم آپ کے پاس آئے ہیں' کل شام کے' اپنے قانونی مشوروں کے لیے' وہ آپ ہمیں بتا دیں۔''جسپال نے کہا تو وہ سر ہلاتے ہوئے سمجھ گیا۔

''مجھے تم پر قاتلانہ حملے اور پولیس کے رویے کے بارے میں پتا چل گیا تھا' میں نے اپنے طور پر تیاری کر لی تھی' اور کچھ معلومات بھی آپ لوگوں کے ساتھ شیئر کرنا چاہ رہا تھا' اچھا ہوا آپ لوگ آ گئے۔''گل نے سوچتے ہوئے بتایا۔''یہ جو نیا پولیس آفیسر ہے نا' یہ اے سی پی رن ویر سنگھ' یہ پولیس کی اسپیشل برانچ سے یہاں تعینات ہوا ہے' ابھی سروس کو دو یا تین سال ہوئے ہیں' مگر ڈیپارٹمنٹ میں ''معصوم سانپ'' کے نام سے مشہور ہو چکا ہے۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ وہ اندر سے کتنا ظالم ہے' خیر......! اسے یہاں اس لیے لگایا گیا ہے کہ کمیشن کے دو بندے غائب ہو گئے' ان کے قاتلوں کا کوئی سراغ نہیں مل رہا ہے' یہاں تک کہ جس کے لیے کمیشن بنا تھا' ان بندوں تک کا پتہ نہیں چلا۔''

''پھر تو اب تک وہ ہمارے گھر پہنچ چکا ہو گا۔''ہرپریت نے تشویش سے کہا اور انوجیت کے نمبر ملانے لگی۔

''نہیں' ابھی وہاں نہیں پہنچا' میری انوجیت سے بات ہو گئی ہے' جب تمہارا فون آیا تھا۔''گل نے تیزی سے کہا۔ تب تک ہرپریت کا رابطہ ہو گیا' اس نے اسپیکر آن کر دیا۔

''ہاں بول ہرپریت......''

''ہم انکل گل کے ساتھ ہیں' کوئی پرابلم تو نہیں وہاں۔''

''کوئی نہیں' بہرحال تم لوگ میرے آنے تک ادھر ہی رہنا۔ اکٹھے ہی تحصیل چلیں گے۔''انوجیت نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اس پر ہرپریت قدرے پریشان ہو گئی۔ اس نے اچانک فون بند کر دیا تھا' جس کا اظہار اس نے کیا تو گل بولا۔

''اوئے پتر......! واہ گرو مہر کرے گا' تم دل چھوٹا مت کرو۔''

''اس کا لہجہ......''وہ بولی۔

''او میں پتہ کر لیتا ہوں' بس گھر جانے کی دیر ہے' سکون سے پوچھتا ہوں۔''گل نے کہا اور گلی میں گاڑی موڑ دی۔ اس کا گھر اسی گلی میں تھا۔

گھر پہنچے تو ناشتہ تیار تھا۔ مسز گل نے میز سجایا ہوا تھا۔ وہ فریش ہو کر آئے تو ناشتے کی میز پر وہ تینوں تھے۔ گل نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا اور بڑے نرم لہجے میں بولا۔

''سب سکون' سکھ اور شانتی ہے' فکر کی ضرورت نہیں' میں نے پتا کر لیا ہے۔''

''ٹھیک ہے انکل' ہمیں آج تحصیل آفس میں کیا کرنا ہو گا۔''ہرپریت نے پوچھا۔

''کچھ نہیں، بس وہاں حاضری ڈالنی ہے، ادھر ادھر پھرنا ہے، ایک دو آفیسرز سے مل لیں گے اور بس۔'' گل نے پرسکون لہجے میں کہا اور ناشتے کی طرف اشارہ کیا۔ ناشتے کے دوران وہ باتیں کرتے رہے، گل نے انہیں وہ سب سمجھا دیا جو وہ انوجیت سے طے کر چکا تھا۔ تاکہ سبھی کا بیان ایک جیسا رہے، وہ ناشتہ کر چکے تو گل نے کہا۔ ''اب دو ڈھائی گھنٹے آرام کر لو، تب تک انوجیت بھی آ جائے گا۔''

''او کے انکل۔'' ہرپریت نے کہا تو جسپال بھی اٹھ گیا۔

ان دونوں کے لیے ایک ہی کمرہ تھا جو گیسٹ ہاؤس قسم کا تھا۔ الگ تھلگ اور پرسکون۔ ہرپریت نے انوجیت کو ایس ایم ایس کر دیا تھا کہ آتے ہوئے ان کے کپڑے لے آئے۔ اتنی دیر میں جسپال نے جاگرا تار کر پھینکے اور بیڈ پر لیٹ گیا۔ ہرپریت اس کے ساتھ دوسری جانب لیٹ گئی۔ تب جسپال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یار ہرپریت......! کہیں تم میرے ساتھ آ کر پچھتا تو نہیں رہی ہو؟''

''یہ خیال تمہیں کیسے آیا۔'' وہ کافی حد تک غصے میں بولی۔

''یہی اتنی بھاگ دوڑ...... یہ خون قتل و غارت......'' اس نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ابھی تو یہ کچھ بھی نہیں ہے جسی جی، ابھی تو شروعات ہیں......'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو جسپال نے ایک دم موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

''یہ تمہارا مجھے جسی کہنا بہت اچھا لگتا ہے، کیا میں بھی تمہیں پریتو، پریتی یا......''

''پریتے......'' اس نے بات کاٹتے ہوئے ایک دم سے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو وہ سنجیدگی سے بولا۔

''برا مان گئی ہو......؟''

''نہیں...... نہیں...... جسی جی نہیں، تم جو کہو......'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''تو پھر ٹھیک ہے پریتی......'' یہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں پیار بھرا خلوص مہک اٹھا تھا۔ جس سے ہرپریت اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، پھر جسپال نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''سو جاؤ......! تم کافی تھک چکی ہو گی۔''

''تمہیں نیند آ جائے گی کیا؟'' ہرپریت نے دھیرے سے پوچھا۔

''کہتے ہیں کہ نیند سولی پر بھی آ جاتی ہے اور تم تو پھولوں جیسی ہو۔'' جسپال نے خمار آلود لہجے میں کہا تو وہ کروٹ لے کر دوسری جانب دیکھنے لگی، جسپال نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور پھر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا...... نجانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ وہ نیند میں ڈوب گیا۔

ان کی آنکھ فون کی آواز پر کھلی۔ وہ انوجیت کا فون تھا، وہ آ چکا تھا اور گل ایڈووکیٹ کے پاس ڈرائنگ روم میں تھا۔ ہرپریت اس کے پاس جا کر کپڑے لے آئی اور پھر تیار ہو کر ان کے پاس ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ جسپال اس سے پہلے ان کے پاس تھا۔ کچھ دیر تفصیلی باتوں کے بعد وہ تحصیل چل پڑے۔ جہاں وہ دوپہر تک رہے، پھر وہیں سے وہ اوگی پنڈ کی طرف چل پڑے، دوپہر ہو چکی تھی، جب وہ اپنے گھر پہنچے، وہاں اچھی خاصی سیکیورٹی تھی۔ اعلان ہو رہا تھا کہ اسی گاؤں میں آ کر روندر سنگھ کے بیٹے ہردیپ سنگھ کی آخری رسومات ادا کی جائیں گیں۔ ظاہر ہے، اس پر بہت وی

آئی پی لوگ آنے والے تھے۔ پولیس کی بھاری نفری ادھر ادھر پھر رہی تھی۔ تاہم کسی نے انہیں نہیں روکا تھا' اور وہ سکون سے گھر پہنچ گئے۔ ان کے آنے کے بارے میں کلجیت کور کو پہلے ہی سے خبر تھی۔ اس لیے ان کے آتے ہی کھانے کی میز سج گئی۔ پھر کھا پی کر جب وہ سکون سے بیٹھے تو کلجیت کور کو انہوں نے پوری روداد سنائی۔ انوجیت اور وہ چپ چاپ سنتے رہے' جب وہ ساری بات سن چکی تو بولی۔

''تھانے سے ایک بندہ دوبار جسپال کے بارے میں پوچھنے آیا تھا۔ اور میں نے دونوں بار کنوور کے بارے میں بتایا ہے۔''

''اس نے بتایا نہیں کہ وہ کس مقصد کے لیے پوچھ رہا ہے؟'' انوجیت نے تیزی سے پوچھا۔

''میں نے خود نہیں پوچھا' اس نے' یہیں سے کہلوا دیا' میں سامنے ہی نہیں گئی' انہیں شک ہے تو وہ جسپال کا پوچھ رہے ہیں۔'' کلجیت کور نے کہا تو جسپال نے انوجیت سے پوچھا۔

''ہوتا رہے' یار۔ انوجیت یار، وہ روبندر سنگھ ادھر گاؤں میں آتو رہا ہے' اور کسی ہنگامے کے بغیر چلا جائے' یہ کیسے ممکن ہے' اسے کچھ نہ کچھ تو احساس ہونا چاہیے۔''

''وہ ہو جائے گا' تم بس آرام کرو' میں نہیں چاہتا کہ سکیورٹی کے نام پر تجھے پکڑ لیں۔ ان کا کوئی پتا نہیں ہے ابھی دو دن پہلے ان سے تو...... میں میں ہوئی ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے کلجیت کور کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''بے بے...... ! یہ اس گھر کی چار دیواری کے باہر نہ جائے۔ اس وقت دس دس کلو میٹر تک سیکیورٹی پھیلی ہوئی ہے' یہ وقت کسی بھی قسم کے رسک لینے کا نہیں ہے' سمجھا دو اسے......''

''او بائی جی سمجھ گیا میں' اب تقریر نہ کرو' میں نیند پوری کروں گا۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا اور اٹھ گیا۔

''ٹھیک ہے جاؤ۔'' اس نے کہا تو ہرپریت اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

جسپال نے اپنے کمرے میں جا کر سائیڈ ٹیبل سے لیپ ٹاپ اٹھایا اور بیڈ پر دراز ہو کر اسے کھول لیا۔ جسمیندر سنگھ کی کئی ای میل آئی ہوئی تھیں۔ اس نے سبھی دیکھ لیں' سب میں معلومات تھیں' اسے گاؤں میں بیٹھے معلوم نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے' لیکن وہ اسے یہاں کی خبریں بھیج رہا تھا' اس نے میل کا جواب دیا اور جسمیندر سنگھ کے آن لائن ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ کافی دیر گزر جانے کے باوجود آن لائن نہیں ہوا تو اسے اکتاہٹ ہونے لگی' اس نے لیپ ٹاپ بند کیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر اسے نیند نہیں آئی' یونہی ادھر ادھر کی سوچیں لے کر سوچتا رہا' تقریباً دو گھنٹے یونہی لیٹے رہنے کے بعد وہ لیٹے رہنے سے بھی تنگ آ گیا۔ وہ لاشعوری طور پر الجھن کا شکار تھا' اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اتنی بڑی سیکیورٹی کے باوجود وہ روبندر سنگھ کو بتانا چاہتا تھا کہ موت اس کے سر پر منڈلا رہی ہے۔ وہ ہنگامہ کرنا چاہ رہا تھا' وہ کھڑکی میں کھڑا تھا اور باہر کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اس کی پشت پر نرم نرم ہاتھوں نے چھوا۔ وہ دھیرے سے پلٹا تو ہرپریت کھڑی تھی' اس کی آنکھوں میں نرماہٹ' پیار اور چمک تھی۔ وہ چند لمحے اس کے چہرے پر دیکھتی رہی پھر نرم سے لہجے میں بولی۔

''کیا سوچ رہے ہو؟''

''سچی بات تو یہی ہے کہ روبندر سنگھ کو......'' اس نے کہنا چاہا تو وہ ٹوکتے ہوئے بولی۔

''میرا بھی یہی خیال تھا' تم یہی سوچ رہے ہو گے' لیکن جسّی' ہم بھی ہیں' وہ بھی یہیں' بلاشبہ وہ بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہے ہوں گے' کیا ہم ان کے جال میں پھنس جائیں...... نہیں جسّی نہیں...... میرے انسٹرکٹر کہا کرتے تھے' انتظار کرو' جب تک کر سکتے ہو' لیکن جب وار کرو تو پھر اتنا بھرپور ہو کہ دوسرا بچ نہ سکے۔''

''تمہارا انسٹرکٹر ٹھیک کہتا ہے پریتی......'' اس نے ایک انگلی سے ہرپریت کے لبوں کو چھوتے ہوئے کہا۔ جس کی نرماہٹ نے اس کے جسم میں گدگداہٹ پھیلا دی تھی۔ تبھی ہرپریت کی آنکھیں نیم وا ہو گئیں۔ اس نے پیار سے اپنا سر جسپال کے کاندھے سے لگا دیا تو وہ اس کے کاندھوں کو پکڑ کر سہلانے لگا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے اندر کی بے چینی کو دبانے کی کوشش کر رہا ہے۔ جب کافی وقت ایسے بیت گیا تو ہرپریت اس سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔

''چل آ' نیچے لان میں بیٹھتے ہیں۔ چائے پیتے ہیں اور بڑی پیاری باتیں کریں گے۔''

''چل......'' اس نے ایک دم سے کہا اور پھر دونوں کمرے سے نکلتے چلے گئے۔

اس وقت وہ دونوں' لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے' کمرے سے آ کر یہاں آنے تک اور پھر چائے پینے تک میں کچھ وقت لگ گیا تھا' اس دوران ہرپریت نے اپنے کالج کے قصے سنا کر اس کے ذہن سے کافی حد تک رویندر کے خیال کو نکال دیا تھا۔ وہ دونوں قہقہے لگا رہے تھے کہ ان کے چوکیدار بنتا سنگھ نے آ کر ایک پولیس مین کے آنے کی اطلاع دی۔

''کیا یہ وہی ہے جو صبح سے دوبار آ چکا ہے؟'' ہرپریت نے پوچھا۔

''جی' وہی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''بلاؤ اسے......'' جسپال نے کہا تو بنتا سنگھ واپس پلٹ گیا۔ تبھی اس نے ہرپریت کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''لگتا ہے' اس گھر کی نگرانی ہو رہی ہے؟''

''یہ کوئی نئی بات نہیں' اکثر ہوتا رہتا ہے۔'' ہرپریت نے کہا تو وہ کاندھے اُچکا کر بولا۔

''چلیں' دیکھتے ہیں۔''

کچھ دیر بعد ایک نوجوان سکھ پولیس مین ان کے سامنے تھا' جسپال نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گیا۔ تو اس نے پوچھا۔

''چائے پیو گے؟''

''نہیں' بس میں صاحب کا پیغام لے کر آیا تھا کہ آپ ان سے ایک دفعہ مل لیں۔'' وہ بولا۔

''خیریت۔'' جسپال نے پوچھا۔

''پتہ نہیں' میں صبح سے دوبار آپ کا پوچھنے آ چکا ہوں۔'' اس نے احساس جتا دینے والے انداز میں کہا۔

''یار بات سن' تیرے صاحب کے پاس میرا فون نمبر ہے۔ اگر ایسی ہی کوئی بات تھی تو وہ مجھے فون کر لیتا' خیر' میں اسے فون کر لیتا ہوں' نمبر بتا اس کا......'' جسپال نے اپنا فون نکالتے ہوئے کہا۔

''اس وقت تو صاحب مصروف ہوں گے' بڑی وی آئی پی سکیورٹی ہے جی اس وقت......'' اس نے یوں کہا جیسے کہہ رہا ہو کہ اس سکیورٹی

میں کوئی بندہ نہیں پھڑک سکتا۔

''تو نمبر بتا' میں کوشش کرتا ہوں۔ ورنہ پھر بعد میں کر لوں گا۔'' جسپال نے اصرار کرتے ہوئے کہا تو اس نے نمبر بتا دیا۔ اس نے پش کیا' چند بیل جانے کے بعد اس نے فون ریسیو کر لیا۔

''اے سی پی رن ویر سنگھ چھٹہ بات کر رہے ہو؟''

''ہاں......آپ کون......؟''

''میں جسپال سنگھ' ابھی آپ کا بندہ میرے پاس آیا ہے' کہہ رہا ہے صبح بھی دو بار آیا ہے' آپ مجھے فون کر لیتے۔'' اس نے کافی حد تک طنزیہ انداز میں کہا۔

''اور آپ کہاں تھے؟'' اس نے پوچھا' لہجے میں ہتک آمیز غصہ تھا۔

''نکودر تھا کل سے' ابھی دوپہر کے بعد آیا ہوں' کیا کوئی کام تھا' بندے تلاش کر لیے آپ نے کیا؟ پنجاب پولیس اتنی شاندار کارکردگی دکھانے لگی ہے؟''

''ابھی میں مصروف ہوں' کل ملنا' اور ممکن ہوا تو آج ہی بات کروں گا۔ آپ کو تھانے آنا پڑے گا۔'' اس نے غصے میں کہا۔

''میں آپ کی فون کال کا انتظار ابھی سے کرنے لگا ہوں۔'' اس نے پھر طنزیہ انداز میں کہا۔ تو رن ویر بولا۔

''او کے......ہوتی ہے ملاقات......'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ جسپال نے فون جیب میں واپس رکھتے ہوئے سامنے بیٹھے پولیس مین سے کہا۔

''تمہارے صاحب سے ہو گئی ہے بات......اب تم جاؤ۔''

''صاحب! آپ اگر ہمارا خیال رکھو گے نا' تو ہم بھی یاروں کے یار ہیں' کبھی آزما کر دیکھ لینا۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''بس جلدی سے ہماری جیپ پر حملہ کرنے والوں کے بارے میں بتا دو......خوش کر دوں گا۔'' جسپال نے ہنستے ہوئے کہا۔

''وہ بھی مل ہی جائیں گے۔'' یہ کہہ کر وہ چل پڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ جو پتا اس نے پھینکا ہے' وہ ضائع چلا گیا ہے۔ شاید اس نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ کوئی بات کرے گا' مگر جتنی ایسا سب کچھ سمجھتا تھا وہ چلا گیا تو ہرپریت نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''تو وہ ملنا چاہتا ہے......؟''

''ہاں......! اور میرے اس گھر تک محدود رہنے کے بارے میں جاننا بھی چاہتا ہے۔'' جسپال نے سوچتے ہوئے کہا۔

''مطلب' اسے ہم پر شک ہو گیا ہے......'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''تو ہم اس کا شک رفع کر دیں گے' جیسے بھی ہوا۔'' یہ کہہ کر اس نے قہقہہ لگایا' پھر ایک ہی سانس میں سامنے دھرا کپ خالی کر دیا۔ وہ کچھ دیر اپنی اپنی سوچوں میں گم رہے پھر یونہی باتوں میں مصروف ہو گئے جیسے کچھ بھی نہ ہوا ہو۔

☆ ☆ ☆

ایک طرف جہاں میں حیران تھا کہ سوہنی یہاں آ کر اماں کو لے گئی ہے' وہاں میں حد درجہ پریشان بھی تھا کہ اماں اس کے ساتھ کیوں چلی گئی' مجھ سے پوچھے بغیر' کوئی بات کیے بغیر وہ یوں کیسے اس کے ساتھ چلی گئی' کئی خیال میرے ذہن میں آ رہے تھے' کیا سوہنی نے اماں سے جھوٹ بولا' اسے کوئی دھمکی دی' یا پھر ڈرا دھمکا کر لے گئی' سوہنی نے ایسا کیوں کیا؟ یہی بات میرے دماغ میں تیر کی طرح کھب گئی تھی' کیونکہ یہ سب ایسے موقع پر ہوا تھا جب ملک سجاد موت وحیات کی کشمکش میں تھا۔ جب سے سوہنی اتفاقیہ طور پر میری زندگی میں آئی تھی' تب سے انجانے میں ملک سجاد کے ساتھ دشمنی شروع ہوگئی تھی۔ عورت اور وہ بھی طوائف' اس کا کیا بھروسہ' وہ ایک طرف خود کو مظلوم ثابت کر رہی تھی تو دوسری جانب ممکن ہے پیسے اور لالچ کے باعث ملک سجاد سے مل گئی ہو۔ یا پھر دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے راتب بن گئے ہوں' میں سمجھتا ہوں کہ کتے کا پھر بھی بھروسہ کیا جاسکتا ہے' مگر سانپ کا نہیں' میرے دماغ میں سے سب شے نکل گئی تھی اور صرف میری ماں کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے ٹک گیا تھا۔ میں نے گھر ویسے ہی کھلا رہنے دیا اور بائیک پر سیدھا چوک میں اچھو کریانے والے کی دکان پر پہنچا' اگرچہ میرے ذہن میں یہی تھا کہ یہاں سے فون نہیں کرنا چاہیے' کیونکہ اس سے میری بہت بڑی کمزوری دشمنوں کے ہاتھ میں آ سکتی تھی' لیکن پتا تو پھر بھی لگ جانا تھا' ماسی مختاراں سے کہاں یہ بات چھپائی جاسکتی تھی۔ آج نہیں تو کل پورے گاؤں کو پتہ چل جانا تھا' میں نے جاتے ہی ریسیور اٹھایا تو اچھو فوراً بولا۔

''جمال بھائی' فون کل سے خراب ہے' کوئی کال نہیں ہوگی' ٹھیک کر رہے ہیں' ممکن ہے ابھی ٹھیک ہو جائے۔'' اس کے یوں کہنے پر مجھے یوں لگا جیسے میری ماں' میری دسترس سے دور ہوتی چلی جارہی ہے۔ میں کافی دیر تک وہاں کھڑا رہا' ممکن ہے فون جلدی ٹھیک ہو جائے اور میں کال کرلوں' یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہوگیا پھر میں نے وہاں مزید ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا' اور سیدھا دلبر کے گھر کی طرف بڑھا۔ جہاں اب تک لوگوں کا رش لگ چکا تھا۔ میری نگاہیں چھاکے کو تلاش کر رہی تھیں۔ جلد ہی مجھے معلوم ہوگیا کہ وہ ساتھ والی بیٹھک میں پولیس والوں کے پاس بیٹھا ہے۔ میں اس جانب بڑھ گیا۔ دروازہ ویسے ہی بند تھا' میں نے کھولا اور اندر دیکھا' رندھاوے کے ساتھ دو پولیس والے' گاؤں کے بزرگ اور چھاکا بیٹھے ہوئے تھے۔

''او جی' جمال بھی آ گیا ہے۔'' ایک بزرگ نے کہا تو میں بولا۔

''میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ دو منٹ چھاکے سے بات کرنی ہے' میں نے......''

''خیریت تو ہے نا جمال......'' رندھاوے نے میرے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔ شاید میرا چہرہ پڑھ لیا تھا۔

''بتاتا ہوں' ذرا چھاکے سے بات کرلوں۔'' میں نے کہا' تب تک وہ اٹھ کر میرے پاس آ گیا۔ میں اسے لے کر بیٹھک سے باہر آ گیا۔

''اوئے جمالے بتا خیر تو ہے۔'' اس نے گلی میں آ کر پوچھا۔ تو میں نے ساری روداد اسے سنادی۔ پھر کہا۔

''ممکن ہے! وہ ہمیں بلیک میل کریں۔''

''دیکھ جمالے...... تو اپنے آپ پر قابو رکھ' دلبر کی تدفین ہوجانے دے' تب تک جو بھی ہوگا' وہ سامنے آ جائے گا' ورنہ پھر سوہنی کو تلاش کرنا کون سا اتنا مشکل ہوگا۔''

''اگر...... اگر اس کی نیت ٹھیک نہ ہوئی تو سوہنی کو تلاش کرنا بہت مشکل ہوجائے گا۔'' میں نے کہا تو اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

''نیت کا پتہ کیسے چلے گا......؟اس سے رابطہ ہوگا' یا پھر اس سلسلے میں ہم سے کوئی رابطہ کرے گا۔''

''تو پھر کیا کرنا چاہیے؟''میں نے زچ ہوتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ دیر تک خاموش رہ..... دلبر کو دفناتے ہی کچھ کرتے ہیں۔''لفظ ابھی اس کے منہ ہی میں تھے کہ گلی میں پانچ چھ کاریں آ گئیں۔ان کے درمیان ایک ہیوی فور وہیل جیپ تھی۔ وہ دلبر کے گھر سے ذرا فاصلے پر رک گئیں۔ میں ٹھٹک گیا۔ آنے والے پتا نہیں کون تھے۔ دوست تھے یا دشمن۔ میں انہیں غور سے دیکھ رہا تھا۔تبھی فور وہیل جیپ سے پیرزادہ وقاص باہر نکلا' اس سے پہلے کئی لوگ کاروں سے نکل آئے تھے۔ یہ سب علاقے کے مختلف لوگ تھے۔اس نے ماحول پر طائرانہ نگاہ ڈالی اور مجھ پر رک گئی۔ہم دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں تو وہ سیدھا میری طرف بڑھا' میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان لمحات میں مجھے کس طرح کے ردعمل کا اظہار کرنا چاہیے' وہ بڑھتا ہی چلا آ رہا تھا اور لازمی طور پر اس کے ساتھ آئے ہوئے لوگ بھی اس کے ہمراہ تھے۔ میں کھڑا رہا' مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا' میں نے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا تو اس نے مجھے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''مجھ سے ملو جمال' تجھ سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔''

''ابھی یا......''میں نے سرگوشی میں کہا۔

''آج شام تک کسی بھی وقت......''اس نے بھی دھیرے سے کہا۔

''چلیں' ملتے ہیں کہیں......'' یہ کہہ کر میں اس سے الگ ہوا' پھر دوسرے لوگوں سے ملنے لگا۔ اتنے میں رندھاوے کو اطلاع مل گئی' وہ بھی آ گیا۔ یوں گلی میں ایک ہجوم سا اکٹھا ہوگیا' دریاں بچھا دی گئیں تو سارے لوگ وہیں جمع ہو کر بیٹھ گئے۔ میرے دماغ میں پیرزادے کی بات سن کر یونہی ہلچل مچ گئی تھی۔ ''کیا سوہنی کا رابطہ پیرزادے سے ہے' اگر ہے تو......'' میں مزید اس سے آگے کچھ نہ سوچ پا رہا تھا' میرے اندر سنسنی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ جنازہ تیار ہونے میں تھوڑا سا وقت تھا۔ لاشعوری طور پر لوگوں کے ذہن میں تھا کہ گاؤں میں ہونے والی اس فوتیدگی پر شاہ زیب ضرور آئے گا' مگر حویلی والوں کی طرف سے دور دور تک کسی کی آمد نہیں ہوئی تھی۔لوگوں کی باتوں کی ہلکی ہلکی بھنبھناہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ وقت گزر گیا' جنازہ تیار ہوگیا اور پھر لوگ لے کر قبرستان کی طرف چل دیئے۔

نور نگر کے لوگوں کے لیے پہلی مرتبہ یہ دیکھنے میں آیا تھا کہ کوئی بڑا زمیندار یوں جنازے کے ساتھ پیدل چلتا چلا جا رہا ہے۔ ورنہ پہلے تو یہی ہوتا تھا کہ وہ عین جنازہ پڑھنے کے وقت پہنچتے' یا ان کا انتظار کیا جاتا' یا پھر دوسرے تیسرے دن دعا کے وقت وہ لوگ اظہار ہمدردی کے لیے آ موجود ہوتے۔ میں خود پر جبر کرتے ہوئے چلتا چلا جا رہا تھا۔ میری تمام تر سوچیں سوہنی اور اپنی ماں کی طرف تھیں۔ یہاں تک کہ قبرستان آ گیا۔ نماز جنازہ کے بعد لوگ دلبر کو دفنانے لگ گئے جبکہ پیرزادے نے دھیرے سے میرا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف کو چل دیا۔ مجھے بھی تجسس تھا' لہٰذا اس کے ساتھ چلتا ہوا لوگوں سے کافی دور آ گیا۔

''جمال......! کیا تیری میری کوئی دشمنی ہے؟''پیرزادے نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''بالکل نہیں۔''میں نے فوراً جواب دیا۔

''اگر میری اور سرداروں کی لڑائی ہو جائے' تو تم کس کا ساتھ دو گے؟''اس نے پوچھا۔

''کسی کا بھی نہیں۔''میں نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

''کیوں......؟''اس نے براہ رست میری آنکھوں میں جھانک کر کہا۔

''مجھے کسی کی لڑائی لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور پھر مجھے یقین ہے کہ تم دونوں کبھی آپس میں نہیں لڑو گے۔''میں نے بیزاری سے کہا۔

''نہیں' میں فیصلہ کر چکا ہوں جمال' آج تک بابا سائیں مجھے روکتے آئے ہیں کہ میں سردار شاہ دین کے خلاف نہ جاؤں' مگر میری اس خاموشی نے انہیں شہ دی ہے' اگرچہ یہ تیرا اچھا فیصلہ ہے کہ تم اس لڑائی میں نہیں آؤ گے' مگر......وہ لوگ تجھے اس طرح استعمال کر چکے ہیں کہ تجھے پتا تک نہیں چلا۔''اس نے کسی حد تک طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ممکن ہے' انہوں نے ایسا کر لیا ہو لیکن......''

''لیکن......شک نہیں' حقیقت ہے یہ......غور کرو' میلے سے لے کر اب تک کے واقعات پر......وہ سیاسی طور پر اس علاقے سے اب پنجاب کی سطح پر حکمرانی کرنا چاہتا ہے' ملک سجاد جیسے کئی دوست بنائے ہیں اس نے......بڑی مچھلی بن کر چھوٹی مچھلیوں کو نگل جانا چاہتا ہے۔اب یہ ہماری بقا کی جنگ ہے......ورنہ وہ ہمیں اپنا مطیع بنا کر رکھے گا' یا ختم کر دے گا......یہ ہے تمہاری اس بات کا جواب کہ میں اس سے کیوں لڑنا چاہتا ہوں......''اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''لڑو......لیکن ہم پر تو عرصہ تنگ ہو گیا نا......بقول آپ کے ہم استعمال ہو گئے' وہ غریبوں کو اور آپ بھی غریبوں ہی کو اس جنگ میں جھونک دو گے......''میں نے غصے میں کہا۔

''یہ تو ہو گا......جنگ میں پیادے زیادہ مارے جاتے ہیں۔اور تم کیا سمجھتے ہو' سردار نے اپنی قوت نہیں بڑھائی' کیا ملک سجاد اگر موت وحیات کی کشمکش سے نکل آیا تو وہ ان لوگوں سے بدلہ لینے کی کوشش نہیں کرے گا' جنہوں نے اسے اس حال تک پہنچایا۔''

''تو کیا اسے آپ لوگوں نے مارا ہے؟''میں نے مصنوعی حیرت سے کہا تو وہ تیزی سے بولا۔

''نہیں' ہم نے نہیں مارا' ممکن ہے تم نے مارا ہو؟ مگر......وہ کہتے میں تو ہمارے پڑ گیا نا' بات اب اس علاقے تک محدود نہیں رہی' بہت بڑھ گئی ہے۔''

''ابھی آپ اپنی بقا کی جنگ لڑیں' سیاسی طور پر' لوگوں کو بتائیں کہ انہوں نے علاقے کی عوام پر کیا ظلم کیا ہے' بات تو یہیں سے بڑھے گی نا......''میں نے اپنا نکتہ نظر بیان کیا۔

''تم نے اچھا کیا جو گاؤں کے لوگوں کو اکٹھا کر کے یہ بات ان کے سامنے رکھ دی تھی۔ مجھ تک پہنچی ہے بات' میں نے بھی پورے علاقے کے لوگوں کو اکٹھا کرنا ہے ایک دو دنوں میں اور سردار شاہ دین سے سوال کرنا ہے' کہ اس نے ملک سجاد کو یہاں غنڈہ گردی کی اجازت کیوں دی؟''اس

نے ایک جذبے سے کہا۔

''تو بس پھر ٹھیک ہے۔ اس کے جواب پر آئندہ کا ردعمل کر لیں گے۔'' میں نے فوراً ہی جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے' تم حق بات پر پہرہ دو گے؟'' اس نے پوچھا۔

''کیوں نہیں' کیا میں اس علاقے سے تعلق نہیں رکھتا۔'' میں نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے' میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ بس دو دن دو مجھے......'' اس نے کہا اور پھر اس جانب چل پڑا جدھر دلبر کو دفنا رہے تھے۔ وہ مجھ سے الگ ہوا تو چھاکا تیزی سے میرے پاس آیا' میں نے اسے نکلنے کا اشارہ کیا' ہم قبرستان سے نکلتے چلے گئے۔ میں دلبر کے گھر جانے کی بجائے اچھو کریانے والے کی دکان کی طرف چلا گیا۔ اس کا فون ٹھیک ہو چکا تھا۔ میں نے کارڈ پر درج نمبر ملائے' چند لمحوں بعد فون اٹھا لیا گیا۔ دوسری طرف سے سوہنی ہی بول رہی تھی۔

''مجھے معلوم تھا کہ تو مجھے فون کرے گا۔'' اس نے خمار آلود لہجے میں کہا تو میں نے غصے کو دباتے ہوئے پوچھا۔

''تو یہ بتا کہ ماں کدھر ہے اور تو اسے کیوں لے کر گئی ہے؟''

''لے' اماں سے بات کر......'' یہ کہہ کر اس نے اماں کو فون دے دیا' کیونکہ اگلے ہی لمحے اماں کی آواز ابھری۔ ''کیسا ہے تو جمال؟''

''اماں' یہ تو نے کیا کیا...... اس کے ساتھ کیوں چلی آئی۔''

''ملک سجاد کے لوگ تجھے مارنے کے لیے گھر تک آ گئے تھے۔ سوہنی کو معلوم تھا کہ وہ ایسا کریں گے' میری جان کو خطرہ تھا وہاں' سو نہیں تو نہیں ملا' پھر اچانک خبر ملی کہ ملک سجاد کو گولیاں لگ گئی ہیں...... سوہنی مجھے اپنے ساتھ ادھر لے آئی۔''

''ادھر کہاں......'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''لاہور...... یہاں اپنے گھر......'' اماں نے جواب دیا۔

''تو ٹھیک تو ہے نا ماں...... اس نے کوئی دھمکی......''

''اوہ' نہیں پتر...... ! تو ایسا نہ سوچ...... میں بڑے آرام سے ہوں یہاں پر۔''

''یہ ملک سجاد کے کہنے پر تو......'' میں نے کہنا چاہا۔

''او نہیں' اس کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہے۔ وہ تو خود ہسپتال میں ہے' تو ایسا کر' یہ سوہنی سے پتا پوچھ لے...... پھر مجھے جب چاہے لینے آ جانا۔ میں محفوظ ہوں یہاں پر۔'' اماں نے دلاسہ دینے والے انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے' دو اسے فون......'' میں نے کہا تو چند لمحوں بعد سوہنی لائن پر تھی۔

''دیکھ جمال...... مجھے تیری بہت ضرورت ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اماں کو یہاں لا کر تجھے بلیک میل کر رہی ہوں۔ میں اماں ہی کو نہیں تجھے بھی بچا لینا چاہتی ہوں۔ پلیز...... یہاں میرے پاس آ جاؤ' جو کہنا ہے مجھے کہہ لو' مگر میری بات ضرور سن لو۔''

''پتہ لکھواؤ۔'' میں نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ اس نے اپنا پتا لکھوانا شروع کر دیا۔ لکھتے ہوئے مجھے یقین نہیں تھا کہ یہ درست بھی ہوگا یا غلط' لیکن میں نے لکھ لیا۔ پھر میں نے کہا۔'' دیکھ...... !اگر یہ پتا درست نہ ہوا تو......''

''تیری سب سے بری عادت یہی ہے کہ تو کسی پر اعتماد نہیں کرتا' جب چاہے چلے آنا' میں تجھے یہیں ملوں گی اور سن ماں کی طرف سے بے فکر ہو جا' میں نے سنبھال لیا ہے اسے۔'' اس نے بڑے پیار سے کہا تو مجھے غصہ آ گیا۔

''اوئے تو کون ہوتی ہے میری سنبھال لینے والی' دیکھ تو اماں کو لے کر ادھر آ جا' ورنہ مجھے تو آنا ہی ہے...... تجھے پاتال سے بھی نکال لوں گا۔''

''میں یہی تو چاہتی ہوں کہ تو میرے پاس ادھر آئے' کل کا آتا ہے آج آ جا۔'' اس نے پھر اسی پیار بھرے لہجے میں میرا غصہ نظر انداز کرتے ہوئے کہا' اب اس سے مزید بات کرنا فضول تھا۔ اس لیے میں نے فون بند کر دیا۔ میں نے اچھو کی طرف ایک بڑا نوٹ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ رکھ پیسے' اور یہ نمبر کسی کے ہاتھ نہیں لگنا چاہیے۔''

''پیسے بھی آپ رکھو اور یہ نمبر میں ابھی یہاں سے ختم کر دیتا ہوں' نہ ہوگا نہ مجھے پتا چلے گا' مین کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔''

''تو پھر تو زندہ بھی رہے گا۔'' میں نے کہا اور نوٹ اس کے کاؤنٹر پر رکھ کر پلٹ گیا۔ چھاکا بائیک لینے چلا گیا تھا اور میں اس کے انتظار میں وہیں کھڑا ہو گیا۔

اس وقت مجھے بالکل بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں اور کدھر جاؤں۔ بس ذہن میں یہی تھا کہ فوراً اماں کے پاس جا پہنچوں۔ سوہنی نے تو انکار کر دیا تھا کہ وہ اب گاؤں نہیں آئے گی' پیرزادہ اپنے طور پر مجھے آئندہ آنے والے دنوں کے بارے میں بتا چکا تھا۔ میں کسی طور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔ پیرزادوں اور سرداروں کے درمیان سرد مہری اب غصے میں بدل چکی تھی۔ اگر یہ لاوا پھٹ جاتا ہے تو انہی دو خاندانوں کا نقصان ہونا تھا۔ لیکن اگر وہ دونوں ''اندر کھاتے'' بیٹھ کر صلح کر گئے تو پھر علاقے سے لوگ چن چن کر ماریں گے۔ تب میرا مقصد پورا نہیں ہونے والا تھا۔ میں نے ملک سجاد کو چھوڑ کر اچھا کیا تھا یا برا' یہ میں نہیں جانتا تھا لیکن سردار اس پورے علاقے میں ''گندے'' ہو گئے تھے' ہر دماغ میں ان کے خلاف زہر بھر چکا تھا۔ یہ میری کسی حد تک کامیابی تھی۔ میں یہی جمع تفریق کر رہا تھا کہ چھاکا بائیک لے کر آ گیا۔

''چل گھر چل......'' میں نے کہا اور اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔ اس نے خاموشی سے بائیک بڑھا دی۔ کچھ ہی دیر بعد ہم گھر جا پہنچے۔ صحن میں نیم کے درخت تلے چار پائی بچھا کر بیٹھ گئے۔ تبھی میں نے سوہنی سے فون پر ہونے والی باتوں کے بارے میں بتا دیا۔ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد وہ بولا۔

''ایسا کر چلتے ہیں لاہور' اور اماں کو لے آتے ہیں۔'' چھاکے نے کہا۔

''چل پھر...... چلتے ہیں لیکن' صرف ایک مسئلہ ہے' ہمارے دوست کہیں یہ خیال نہ کریں کہ ہم بھاگ گئے ہیں کہیں' یا اس موقع سے دشمن فائدہ نہ اٹھالے......'' میں نے یونہی تشویش ظاہر کی تو وہ بولا۔

''دیکھ...... ملک سجاد کا کوئی بندہ اب علاقے میں نہیں ہے' پیرزادوں اور سرداروں کی لڑائی میں تو ہم ویسے ہی دخل نہیں دیں گے۔ اول تو ان کی لڑائی نہیں ہوگی' اگر ہوئی بھی تو ہم نے تماشہ دیکھنا ہے اور وہ دو تین دن سے پہلے نہیں ہونے والی' اور اگر تجھے زیادہ ہی فکر ہے تو پھر تم چلے جاؤ'

میں ادھر رہتا ہوں۔'' چھاکے نے تجویز دی۔

''تو ادھر ہی رہ یہاں گھر میں...... میں نکلتا ہوں......'' میں نے ایک دم سے اٹھتے ہوئے کہا۔ کیونکہ اماں کے بغیر مجھے سکون نہیں آ رہا تھا۔

''رب راکھا۔'' چھاکے نے کہا تو میں نے بائیک اٹھائی اور نکلنے لگا' تب چھاکے نے میری طرف مسکرا کر دیکھا تو میں چل دیا۔

جس وقت میں قریبی قصبے میں پہنچا' تب تک سورج مغربی افق کی جانب جھک گیا تھا۔ مگر دن ڈھلنے میں کافی وقت پڑا تھا۔ میں نے اپنی بائیک ایک دوست کے گھر کھڑی کی اور اس کی گاڑی لے کر لاہور کی جانب چل پڑا۔ مجھے یقین تھا کہ میں آدھی رات سے پہلے لاہور پہنچ جاؤں گا۔

رات کا دوسرا پہر شروع ہو چکا تھا' جب میں لاہور کے ماڈل ٹاؤن میں پہنچا' گھر تلاش کرنے میں مجھے تھوڑی سی دقت تو ہوئی لیکن میں پہنچ گیا۔ میں نے گیٹ کے سامنے گاڑی روکی اور نمبر کی تصدیق کر کے کال بیل پر انگلی رکھ دی۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اندر سے ایک چوکیدار برآمد ہوا۔ اس نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا اور پھر واپس مڑ کر بڑا گیٹ کھول دیا پھر اشارے سے سمجھانے لگا کہ گاڑی اندر لے آؤ۔ تبھی مجھے ایک دم سے خیال آیا کہ کہیں یہ چال نہ ہو' سوہنی نے مجھے پھنسانے کے لیے ایک پتا تھما دیا اور میں آنکھیں بند کر کے اندر چلا جاؤں' جہاں کے چوکیدار نے مجھ سے بات کرنا پسند نہیں کیا تھا' میں نے چوکیدار سے کہا۔

''جاؤ' پہلے اپنی بیگم صاحبہ کو بلا کر لاؤ۔''

چونکہ وہ گیٹ کھول چکا تھا' اس لیے نہ آگے جا سکتا تھا اور نہ کھلا گیٹ چھوڑ کر اندر پلٹ سکتا تھا۔ وہ اسی کشمکش میں تھا کہ اندر سے سوہنی برآمد ہوئی۔ میں پہلی نگاہ میں اسے پہچان ہی نہیں سکا تھا۔ اس نے پورا لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ سر پر آنچل یوں تھا جیسے سکارف باندھا ہوا ہو۔ صرف اس کے چہرے پر کپڑا نہیں تھا' وہ دھیمے دھیمے قدم بڑھاتی ہوئی آ گئی۔ پھر مجھے دیکھ کر بولی۔

''مجھے معلوم تھا کہ تو نہیں آئے گا ایسے' حالانکہ میں نے تجھے بالکونی سے دیکھ لیا تھا' چل آ اندر۔'' میں نے دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر گاڑی اندر لانے کے لیے لپکا۔

کچھ ہی دیر بعد میں اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں تھا' جہاں سامنے ہی صوفے پر اماں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی۔ پھر مجھے گلے لگاتے ہوئے بولی۔

''مجھے معلوم تھا کہ تو آج رات ہی آ جائے گا' تو نہیں رہ سکتا میرے بغیر۔''

''اماں......! تو مجھے یہ بتا' اس کی باتوں میں آ کر تو یہاں کیوں آ گئی۔ اس نے جھوٹ بولا کہ ملک سجاد کے بندے اس رات ہمارے گھر آئے ہیں...... میں نے پتا......''

''یاد کر' یہ بات میں نے تم سے کہی تھی' سوہنی نے نہیں۔'' اماں نے میری تصحیح کی۔

''لیکن وہاں تو کوئی بھی نہیں آیا تھا۔'' میں نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''آئے تھے پتر' مگر سوہنی کو وہاں دیکھ کر پلٹ گئے۔ اس لیے تو میں یہاں آ گئی ہوں۔'' اماں نے تیزی سے بتایا۔

''مگر کیوں اماں' کیا مجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔'' میں نے غصے میں کہا۔

''ہے...... بھروسہ ہے' میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تو میرا ہر طرح سے تحفظ کرسکتا ہے لیکن تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں ہی وہ ذات ہوں جو تیری کمزوری ہے۔ پتر میں تجھے کہیں بھی کمزور نہیں دیکھنا چاہتی' تیرے ذمے جو مقصد ہے' تو وہی پورا کر......'' اماں نے بے حد جذباتی انداز میں کہا۔

''لیکن اس کے پاس کیوں...... اس پر کیسے بھروسہ کیا جاسکتا ہے......'' میں نے سوہنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا' تب وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''یہ باتیں بیٹھ کے بھی ہوسکتی ہیں۔''

اس کے یوں کہنے پر اماں بیٹھ گئی' پھر اس کے ساتھ وہ بیٹھی تو مجھے مجبوراً بیٹھنا پڑا۔

''سنو جمال......! میں نے میلے والی رات ہی اپنی زندگی کا بہت بڑا فیصلہ کرلیا تھا اور وہ فیصلہ تھا کہ میں نے یہ طوائف والی زندگی ختم کردینی ہے۔ میں لاشعوری طور پر پہلے ہی اس زندگی سے اکتائی ہوئی تھی۔ جسے بس ہلکا سا اشارہ چاہیے تھا۔ کوئی سہارا دے دے مجھے اور میں گناہوں کی اس زندگی سے چھٹکارا پالوں۔ میں نے وہاں تمہارے پاس رہنا چاہا' لیکن تم نے مجھے نہیں رہنے دیا۔ ملک سجاد میرا بڑا عاشق بنا پھرتا ہے' لیکن تمہارے سامنے وہ کچھ بھی ثابت نہ ہوا۔ میں یہاں سے زیادہ وہاں تمہارے گاؤں میں محفوظ تھی' تم پر بوجھ نہ بنتی اپنا خود کما لیتی' مگر تو نے مجھے ذرا بھی سہارا نہیں دیا۔''

''مجھے اب تک سمجھ نہیں آرہی ہے کہ تم کہنا کیا چاہتی ہو' میری اماں کا اس بات سے کیا تعلق؟'' میں نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

''ہے تعلق ہے' اماں نے مجھے اخلاقی طور پر سہارا دیا' ایک جھٹکے سے میرے ذہن میں موجود گند کو نکال دیا۔ مجھے انہوں نے بتایا کہ عورت ہوتی کیا ہے' اب ان پر ہے' چلی جائیں گی' تو میں دوبارہ طوائف کی زندگی کی طرف پلٹ جاؤں گی' مجھے کوئی نہیں روک سکے گا' اگر اماں کو لے جاسکتے ہو تو لے جاؤ......'' سوہنی نے عجیب لہجے میں کہا' جس میں غرور' محبت اور اپنے ہونے کا احساس تھا۔ وہ مجھ سے جواب مانگ رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کہوں؟

☆......☆......☆

(امجد جاوید کا یہ دلچسپ اور طویل ناول ابھی جاری ہے، باقی واقعات اگلی قسط میں پڑھیے)